جلد ۷۷ مئی ۱۹۷۲ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

زندگی کے مختلف پہلوؤں پر

۲۰ مختصر کُتب کا جامع سیٹ (ع ۲)

کتاب	پیسے	روپے
۱- اسلام اور جاہلیت	۵۰	۰۰
۲- سرورِ عالمؐ	۷۰	۰۰
۳- اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	۵۰	۰۰
۴- اسلام کی معاشی اسکیم	۲۵	۰۰
۵- ہمارے داخلی و خارجی مسائل	۱۰	۱
۶- فریب خوردہ شاہین کے نام	۱۵	۰۰
۷- سیاست ایک دینی تقاضا	۰۰	۱
۸- اسلام کی اقتصادی پالیسی	۷۰	۰۰
۹- کمیونزم یا اسلام	۲۵	۰۰
۱۰- انسان کا معاشی مسئلہ اور اُسکا اسلامی حل	۵۰	۰۰
۱۱- اسلام اور عدلِ اجتماعی	۴۰	۰۰
۱۲- بناؤ اور بگاڑ	۸۰	۰۰
۱۳- اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق	۵۰	۰۰
۱۴- پاکستان کے انتخابی نتائج اور جماعت اسلامی کی پوزیشن	۲۵	۰۰
۱۵- اسلام، سوشلزم اور اسلامی سوشلزم	۳۱	۰۰
۱۶- مولانا مودودی پر اعتراضات کی حقیقت	۰۰	۱
۱۷- سوشلزم اور تشدد	۱۵	۰۰
۱۸- فرعون و کلیم کی داستانِ کشمکش	۴۰	۰۰
۱۹- دین یا لادینیت	۲۵	۱
۲۰- تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	۰۰	۱

پورا سیٹ خریدنے پر خوبصورت پاکٹ ڈائری مع پلاسٹک کور پرس مفت۔ ڈاک خرچ فری۔

(چونکہ ڈائری محدود تعداد میں ہے اس لیے فوراً فرمائش بھیجیے تاکہ آپ اس خصوصی رعایت سے محروم نہ رہ جائیں)

پورا سیٹ صرف ۔/۱۱ روپے ہیں

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ (۱۳-ای)، شاہ عالم مارکیٹ لاہور (فون-۶۸۳۴۱)

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

عدد ۳	مئی ۱۹۷۲ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۲ھ	جلد ۷۷

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

چندہ سالانہ: آٹھ روپے ـــــ فی پرچہ: ۸۰ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

موجودہ حکومت جمہوریت کے سارے بلند بانگ دعووں کے باوجود اس راہ پر گامزن ہے جسے کسی صورت بھی جمہوریت کی راہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ صحیح طور پر فسطائیت کی راہ کہا جا سکتا ہے۔ حکومت کا مزاج اس کا طرزِ عمل، قومی مسائل کو طے کرنے کے طریقے، عوام کے جذبات میں اشتعال پیدا کرنے کے مختلف حربے یہ سب اس بات کی دہائی دے رہے ہیں کہ حکومت نخلِ جمہوریت کو بارآور ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی بلکہ فسطائیت کو پروان چڑھانے کا عزم رکھتی ہے۔

اقتدار کے آمرانہ مزاج کی شہادت میں یوں تو کئی ایک مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اس نے جو ظالمانہ سلوک ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ ہفت روزہ زندگی اور ہفت روزہ پنجاب پنچ کے مدیروں اور ناشروں سے کیا ہے اُسے دیکھتے ہوئے اس کی جمہوریت پسندی کا سارا پول کھل جاتا ہے۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ جس ناانصافی اور فسطائی ذہنیت کا مظاہرہ ان جرائد کے بارے میں کیا گیا ہے اس کی مثال تو انگریزی حکومت کے پورے دورِ استبداد میں بھی نہیں ملتی۔ غیر ملکی سامراج پریس سے ہمیشہ خوفزدہ رہا اور اس نے اس کی آواز کو غیر مؤثر بنانے بلکہ دبانے کے لیے بڑے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کیے مگر جس تعدی اور لاقانونیت سے اِن پرچوں کا گلا گھونٹا گیا ہے اسے نرم سے نرم الفاظ میں بھی انسانیت سوز کہا جا سکتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ انسانی حقوق کے واضح احساس اور شعور سے جمہوریت جنم لیتی ہے، تقریر و تحریر کی آزادی اور اجتماع کی آزادی سے یہ پروان چڑھتی ہے اختلاف رائے کو ٹھنڈے دل سے سننے اور خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرنے اور اس کے مقابلے میں دلیل کے ساتھ اپنا موقف بیان کرنے اور ناقد کو اس کی غلطی واضح کرنے سے اس میں ذہنی اور اخلاقی پختگی پیدا ہوتی ہے۔ کسی جمہوری معاشرے کو حکومت کبھی بھی اس بات کا پابند

نہیں کرتی کہ اگر کوئی زبان کھولے تو صرف سرکارِ عالی مدار کی تعریف و توصیف میں کھولے ورنہ بند رہے رائے کی آزادی ایک انسان کا فطری حق ہے جسے جمہوری معاشرہ کبھی بھی سلب نہیں کرتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی فرد یا گروہ آزادیِ رائے کی آڑ میں ملک کے اندر انتشار پھیلا رہا ہے تو اُسے اس مذموم کام سے باز رکھنے کے لیے عدالت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اُس کے لیے مارشل لا کا سہارا نہیں لیا جاتا ہمارے اس ملک میں اخبارات اور جرائد کو اپنی جائز حدود سے آشنا کرنے اور انہیں ان کا پابند بنانے کے لیے پریس لاز کی صورت میں قوانین موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے مارشل لا کے تحت کارروائی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حکومت کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ اس کا موقف اخلاقی اور قانونی اعتبار سے کمزور ہے اور اسی وجہ سے وہ مارشل لا کے ذریعے اپنے خیال میں ناخوشگوار آوازوں کو خاموش کرنا چاہتی ہے اگر اس کا اخلاقی موقف مضبوط ہوتا تو وہ نشر و اشاعت کے نہایت وسیع ذرائع جن کی وہ تنہا مالک ہے ، سے کام لیکر اُن ناقدین کی غلطیوں کو عوام کے سامنے لاتی اور انہیں یہ بتاتی کہ یہ لوگ کس طرح کی بودی باتیں کرتے ہیں اور اگر حکومت قانونی نقطۂ نظر سے اپنے موقف کو مضبوط پاتی تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی اور ان حضرات سے انہیں سزا دلواتی جنہیں ملک میں عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اگر قاتل ہی شاہد اور منصف بن جائیں تو پھر انصاف کا خون ناگزیر ہے کیونکہ قاتل خود نہ تو اپنے خلاف شہادت دے سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو مجرم قرار دے کر سزا دینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ حکومت میں اگر کوئی فرد بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اقتدار کے نشہ نے اس کی فکری صلاحیتوں کو بالکل مفلوج نہیں کر دیا تو اُسے اپنے اس ظالمانہ طرزِ عمل کے دُور رس نتائج پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کیا اِس قسم کے آمرانہ ہتھکنڈوں سے کسی آواز کو مستقل طور پر دبایا جا سکتا ہے اگر یہ بات کسی طرح ممکن ہوتی تو نمرود کی خدائی کو کبھی زوال نہ آتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس رفتار سے اختلافات کی ناخوشگوار آوازوں کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اُسی رفتار سے ان میں شدّت پیدا ہو جاتی ہے اور بالآخر ان آوازوں کی خوفناک چیخوں سے حکومت کے ایوان لرزنے لگتے ہیں اور جلد ہی پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر حکومت کو یہ آمرانہ اندازِ فکر ترک کر کے معقول طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اسی میں اُس کی بھلائی ہے۔ کاش ہمارے حکمران تاریخ سے سبق حاصل کریں اور ان خوشامدیوں کے مشوروں سے بچیں جنہوں نے ہر دَور میں ذاتی مفادات کی خاطر اصحابِ اقتدار کو گمراہ کر کے انہیں عبرتناک انجام سے دوچار کیا۔

خدشات کی جس فضا میں قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا اور جس عجلت میں ایک عبوری آئین منظور کرکے اسے نافذ کیا گیا اسے دیکھتے ہوئے عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ضمن میں بھلائی کا جو کام بھی ہوا تھا وہ خوشدلی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ سخت مجبوری کے ساتھ کرنا پڑا ہے۔ یہ بات بلاشبہ موجب اطمینان ہے کہ مارشل لا کی تاریک رات کا خاتمہ ہوا ہے مگر جس صبح آزادی کا مژدہ ہمیں سنایا گیا تھا وہ ابھی طلوع ہوتی نظر نہیں آتی بلکہ صبح کاذب کی چند دھندلی لکیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمیں یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ یہی وہ صبح ہے جس کے تم اتنی دیر سے منتظر تھے۔ حکومت کے حاشیہ نشین اس آئین کی مدح و ستائش میں جو چاہیں کہتے رہیں مگر وہ آنکھ جو صبح صادق کی نشانیوں کو پہچاننے کی قدرت رکھتی ہے اسے کسی صورت بھی دھوکا نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسے اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ یہ صبح آزادی کی وہ سفیدی نہیں جو رات کے اندھیروں پر غالب آکر پوری فضا میں نور کے لطیف ریزے بکھیر کر اسے بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ یہ صبح کاذب کی سفیدی ہے جس سے سطح بیں آنکھیں تو دھوکا کھا کر اسے طلوع صبح کی بشارت سمجھ سکتی ہیں مگر دیدۂ بینا سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس صبح کاذب کے پس پردہ رات کو اپنے تاریک سائے پھیلانے کا موقع میسر آ رہا ہے۔ دستور کے بارے میں برسراقتدار طبقے کے آمرانہ عزائم کو جاننے کے لیے کسی لمبی چوڑی قانونی مہارت کی ضرورت نہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے بھی اگر اس پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی جائے تو اس کے اسلامی اور جمہوری مزاج کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ ہم یہاں اس کے چند نکات بطور مثال پیش کرتے ہیں

برسراقتدار پارٹی جن نعروں کو لے کر اٹھی تھی اس میں دو نعرے یہ تھے کہ "اسلام ہمارا مذہب ہے" اور "جمہوریت ہماری سیاست ہے" مگر اس دستور کی تدوین میں ان نعروں کو جس انداز سے پس پشت ڈالا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ درحقیقت سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے لیے محض نعرے ہی تھے، ان کے پیچھے کوئی خلوص اور عزم صادق کارفرما نہ تھا اس لیے انہیں ترتیب دستور کے مرحلے میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

دستور میں قرارداد مقاصد شامل کرکے یہ تاثر تو بلاشبہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس ملک میں حاکمیت صرف خداوند تعالیٰ کی ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار کی باگیں ہیں وہ ایک محدود پیمانے پر اس حاکمیت کے امین ہیں اس لیے وہ مطلق العنان اصحاب اقتدار نہیں بلکہ اس زمین میں خلق کے بارے میں خدا کے منشا کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اسلام نے مسلمان حکمران اور اسلامی ریاست پر جو ذمہ داریاں ڈالی

ہیں وہ صرف اسی حد تک محدود نہیں کہ فلاں فلاں کام جو منشائے الٰہی کے خلاف ہیں ان سے باز رہنے اور عوام کو باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ان ذمہ داریوں کا دائرہ ان سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسلام منکرات سے بچنے کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمرانوں اور مسلم معاشرے کو اس بات کا پابند بھی کرتا ہے کہ وہ "معروف" کو پوری قوت کے ساتھ نافذ کرے۔ قرآن کریم میں اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (الحج: ۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

آپ پورے دستور کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ "معروف کے بارے میں ایک اسلامی ریاست پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں کس حد تک تسلیم کیا گیا ہے اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے کس عزم کا اظہار کیا گیا ہے اِس نقطۂ نظر سے اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو یہ دستور بڑا مایوس کن ہے۔ اس میں نہ تو نظامِ صلوٰۃ کے قیام کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ نظامِ زکوٰۃ کے نفاذ کا کوئی منصوبہ اور نہ معروف کو ملک میں پھیلانے کی کوئی ضمانت۔ اسلام کے تقاضے قرارداد مقاصد کی اس شق کہ اسلام نے جمہوریت، آزادی، مساوات اور رواداری کے جو تصورات پیش کیے ہیں انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کی جائیگی، سے تو پورے نہیں ہوتے۔ ان تصورات کو تو دوسری قومیں بھی کسی نہ کسی صورت میں اپنا رہی ہیں اسلامی ریاست صرف ان تصورات کی وجہ سے دوسری ریاستوں سے ممتاز نہیں بلکہ اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی حدود میں بسنے والوں کو ان اوصاف سے متصف کرنے کی کوشش کرتی ہے جن کی بنا پر وہ دنیا اور آخرت میں خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

جہاں تک اسلامی معاشرے سے منکرات کے استیصال کا تعلق ہے اس کا تذکرہ بھی دستور میں بڑے نیم دلانہ انداز سے کیا گیا ہے اور ان برائیوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کے لیے اسلام جس سختی سے تاکید کرتا ہے اس کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ہمیں دستور میں نہیں ملتا شراب، جوئے، قحبہ گری اور اسی نوعیت کی دیگر برائیوں نے ہمیں جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اُن سے اس ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ معدودے چند

افراد کو چھوڑ کر ملک کی پوری آبادی ان کا قلع قمع چاہتی ہے اور حکومت سے بار بار اس بات کا مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ کسی طرح مسلم معاشرے کو ان برائیوں سے پاک کرے۔ اگر حکومت کے دل میں اپنی اسلامی ذمہ داریوں کا کچھ بھی احساس ہوتا اور اسے عوامی جذبات کی کچھ بھی قدر ہوتی تو وہ دستور میں بڑے واضح الفاظ میں ان کے استیصال کا ذکر کرتی لیکن دستور میں جس انداز سے ان برائیوں کی "حوصلہ شکنی" پر اکتفا کیا گیا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ حکومت بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ ان برائیوں کے بارے میں "حوصلہ شکنی" کا رویہ اختیار کر رہی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر انہیں یکسر ممنوع قرار دینے میں کونسی چیز مانع ہے۔

جوئے اور قحبہ گری کی تباہ کاریوں کے متعلق تو اُن افراد اور اُن قوموں کو بھی کوئی اختلاف نہیں جو ان برائیوں میں ملوث ہیں۔ باقی رہی شراب تو اس کے بارے میں بھی اطباء اور ماہرین نفسیات کی یہ رائے ہے کہ اس کے استعمال سے نہ صرف صحت برباد ہوتی ہے بلکہ معاشرے میں خوفناک قسم کے نفسیاتی عوارض بھی جنم لیتے ہیں جن سے افراد اور معاشرے سب کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ہمارے اس ملک میں اب جبکہ شراب کی مخالفت کا موضوع زیر بحث ہے تو بعض چوٹی کے ڈاکٹروں نے بڑے واضح دلائل کے ساتھ اس ام الخبائث کے نقصانات کا تذکرہ کیا ہے اور اس باطل خیال کی تردید کی ہے کہ یہ صحت کے لیے کسی اعتبار سے بھی مفید ہو سکتی ہے۔

غیر مسلموں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کے بارے میں جو متعدد کتب اور مضامین لکھے ہیں ان میں اس امر کا برملا اعتراف کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے انسانی معاشرے میں ان برائیوں کو مٹانے کے معاملے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے عرب جیسی شراب کی رسیا قوم میں اس لعنت کا یکسر خاتمہ اسلام کے معجزات میں سے ایک زندہ معجزہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں یوں تو بہت سی تحریریں پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم یہاں اسلام کے چند جانے پہچانے دشمنوں کی آراء نقل کرتے ہیں۔

سر ولیم میور کی اسلام دشمنی آخر کس سے پوشیدہ ہے؟ وہ اپنی کتاب "لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھتا ہے:

> "اسلام امتناعِ شراب کے معاملے میں جس قدر بھی فخر کرے وہ حق بجانب ہے کیونکہ کوئی دوسرا مذہب اس میدان میں اس کا سہیم نہیں ہو سکتا۔" (ص ۵۲۱)

مشہور پادری ٹیلر نے چند برس پیشتر اپنی ایک مذہبی تقریب میں اسلام کی اس عظمت کا کھلے بندوں اس طرح اعتراف کیا:

"علاوہ اور باتوں کے اسلام پوری دنیا میں امتناعِ شراب کی ایک عالمگیر تحریک ہے۔ اس کے مقابلے میں یورپین تجارت کے فروغ پانے سے شراب نوشی، اخلاقی عیوب اور انسانیت کی تذلیل کا سامان فراہم ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر مارگولیتھ جیسا عدوِ اسلام اخلاقی میدان میں دینِ حق کی کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے جب قمار بازی کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ یہ تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ حضور سرورِ دو عالم نے اس بُرائی سے معاشرے کو جس طرح پاک کیا وہ حضورؐ کی اصلاحات میں سب سے نمایاں اصلاح کہلانے کی مستحق ہے۔"

یہ بات ہمارے لیے کس قدر باعثِ شرم ہے کہ جن اخلاقی عیوب کے خاتمہ کی وجہ سے پوری انسانیت ہماری ممنونِ احسان ہو اور ہمارے جن امتیازی اوصاف کے ہمارے کٹر سے کٹر دشمن بھی معترف ہوں اُن کے بارے میں ہم تذبذب کی پالیسی اختیار کریں اور پوری قوت سے نہ تو ان بُرائیوں کو مٹانے کا عزم کریں اور نہ ان اوصاف سے متصف ہونے کے لیے جدوجہد کا کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔ بات اگرچہ بڑی سخت ہے لیکن فی الحقیقت ہمارے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ بھارت اور نام نہاد بنگلہ دیش جن کے دساتیر کی اساس لادینیت پر رکھی گئی ہے ان کے اندر تو شراب پر پابندی عائد کی جائے اور ہمارے اسلامی ملک کے عبوری مسودے میں صرف "حوصلہ شکنی" کے الفاظ درج کر کے عوام کا منہ چڑایا جائے۔

پھر ان بُرائیوں کی "حوصلہ شکنی" کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ حوصلہ شکنی کے اس دائرے کو نچلے طبقوں اور جھونپڑوں کے اندر رہنے والوں تک محدود رکھا گیا ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جو "تہذیب و تمدن" کے جدید ساز و سامان کے ساتھ ان بُرائیوں کے ارتکاب کے "ڈھنگ" جانتے ہیں وہ "حوصلہ شکنی" کی زد سے یکسر باہر ہیں مثلاً جوئے کی تو "حوصلہ شکنی" کی جائے گی لیکن اگر جوا "ریس" کی صورت میں کھیلا جائے تو اسے دستور کے اندر حوصلہ شکنی کی دستبرد سے پورا تحفظ حاصل ہو گا۔

دینی نقطۂ نظر سے اِس عبوری آئین کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس میں مسلمان کی تعریف پیش نہیں کی گئی درآنحالیکہ ایک نظریاتی مملکت کے دستور کی حیثیت سے اس میں اس تعریف کا اندراج انتہائی ضروری تھا۔ جس "خانہ ساز نبوت" کے وابستگان کی ناراضگی کے پیشِ نظر اس اہم معاملے کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا ہے اُسے سب لوگ جانتے ہیں۔ معقولیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ پورے ایوان کے سامنے اس بات کو تسلیم کر لیا جاتا

کہ اصحابِ اقتدار کسی صورت میں ربوہ کی خلافت کو ناراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ مگر اس معقول طرزِ عمل کو اختیار کرنے کے بجائے منیر رپورٹ کی آڑ لیکر یہ کہا گیا کہ چونکہ علمائے کرام مسلمان کی کوئی ایک تعریف متعین کرنے پر متفق نہیں ہوسکے اس لیے ہم بھی دستور میں کوئی تعریف درج کرنے سے قاصر ہیں۔ جسٹس منیر صاحب کا یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے اور انہوں نے یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے اعتراضات جن مقاصد کے پیشِ نظر اٹھائے تھے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی باتیں نہیں رہیں۔ پھر علماء نے ان سارے اعتراضات کے جس طرح مسکت جوابات دئیے وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔ ان سارے حقائق کو جانتے ہوئے منیر رپورٹ کا سہارا لے کر اس اہم معاملے سے اغماض برتنا تجاہلِ عارفانہ نہیں بلکہ مجرمانہ تغافل ہے۔

جہاں تک اس دستور کے جمہوری مزاج کا تعلق ہے اُسے بھی کسی اعتبار سے پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا جو لوگ اس ملک کی دستوری جدوجہد سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے قوم یک زبان ہوکر مطالبہ کرتی رہی ہے کہ ملک میں پارلیمانی نظام رائج ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس نظام کے تحت ہی ملک کے مختلف حصوں میں عدل و انصاف قائم ہوسکتا ہے۔ اسی بنیاد پر ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہوئے۔ خود پیپلز پارٹی نے عوام سے اس نظام کے نفاذ کا وعدہ کیا اور اس کے صدر اور دوسرے زعماء اپنے اس وعدے کو بار بار دُہراتے رہے۔ لیکن اب جبکہ ایوان میں اس وعدے کے ایفاء کا وقت آیا تو حکمران پارٹی نے بڑا افسوسناک طرزِ عمل اختیار کیا یعنی صوبوں میں تو پارلیمانی نظامِ حکومت کو تسلیم کیا گیا ہے مگر مرکز میں صدارتی نظام کے حق میں رائے دی گئی ہے۔ مرکزی وزیرِ قانون خود اس ملک کے ایک نامور ماہرِ قانون ہیں ان کے لیے یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ نظامِ حکومت کی یہ دورنگی ملک میں کس قسم کی آئینی اور انتظامی پیچیدگیاں پیدا کرے گی، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ صدر کو غیر محدود اختیارات بھی حاصل ہونگے اور اس کے انتخاب میں عوام کا براہِ راست عمل دخل بھی نہ ہوگا بلکہ صرف قومی اسمبلی کے ارکان انہیں منتخب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ یہ سب تدابیر اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ صدارت کے پردے میں ملک کے اندر آمریت قائم کی جارہی ہے۔

کسی ملک میں جمہوریت کے قیام کی پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ عوام براہِ راست اپنے حکمرانوں کا انتخاب

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

تفہیم القرآن

اَلبَیِّنَۃ

نام: پہلی آیت کے لفظ اَلبَیِّنَۃ کو اس سُورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول: اس کے بھی مکّی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکّی ہے اور بعض دوسرے مفسّرین کہتے ہیں کہ جمہُور کے نزدیک مدنی ہے۔ ابن الزُّبیرؓ اور عطاء بن یَسار کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابن عباسؓ اور قَتادہ کے دو قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مکی ہے، دوسرا یہ کہ مدنی ہے۔ حضرت عائشہؓ اسے مکّی قرار دیتی ہیں۔ ابو حَیّان صاحب بحر المحیط اور عبد المُنعِم ابن الفرس صاحب احکام القرآن اس کے مکّی ہونے ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں تک اِس کے مضمون کا تعلق ہے، اُس میں کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی جو اِس کے مکّی یا مدنی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہو۔

موضوع اور مضمون: قرآن مجید کی ترتیب میں اِس کو سورۂ علق اور سُورۂ قدر کے بعد رکھنا بہت معنی خیز ہے۔ سُورۂ علق میں پہلی وحی درج کی گئی ہے۔ سُورۂ قدر میں بتایا گیا ہے کہ وہ کب نازل ہوئی۔ اور اِس سُورہ میں بتایا گیا ہے کہ اِس کتابِ پاک کے ساتھ ایک رسُول بھیجنا کیوں ضروری تھا۔

سب سے پہلے رسول بھیجنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ دنیا کے لوگ، خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، جس کفر کی حالت میں مبتلا تھے اُس سے اُن کا نکلنا اِس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ ایک رسول بھیجا جائے جس کا وجود خود اپنی رسالت پر دلیلِ روشن ہو، اور وہ لوگوں کے سامنے خدا کی کتاب کو اس کی اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے جو باطل کی اُن تمام آمیزشوں سے پاک ہو جن سے پچھلی کتبِ آسمانی کو آلودہ کر دیا گیا ہے اور بالکل راست اور درست تعلیمات پر مشتمل ہو۔

اِس کے بعد اہلِ کتاب کی گمراہیوں کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ اُن کے اِن مختلف راستوں میں

بھٹکنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی رہنمائی نہ کی تھی، بلکہ وہ اس کے بعد بھٹکے کہ راہِ راست کا بیانِ واضح اُن کے پاس آچکا تھا۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی گمراہیوں کے وہ خود ذمّہ دار ہیں، اور اب پھر اللہ کے اِس رسول کے ذریعہ سے بیانِ واضح آجانے کے بعد بھی اگر وہ بھٹکتے ہی رہیں گے تو اُن کی ذمّہ داری اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

اِسی سلسلے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انبیاء بھی آئے تھے، اور جو کتابیں بھی بھیجی گئی تھیں، اُنہوں نے اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا تھا کہ سب طریقوں کو چھوڑ کر خالص اللہ کی بندگی کا طریقہ اختیار کیا جائے، کسی اور کی عبادت و بندگی اور طاعت و پرستش کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا جائے، نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے۔ یہی ہمیشہ سے ایک صحیح دین رہا ہے۔ اِس سے بھی نتیجہ خود بخود برآمد ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب نے اِس اصل دین سے ہٹ کر اپنے مذہبوں میں جن نئی نئی باتوں کا اضافہ کرلیا ہے وہ سب باطل ہیں، اور اللہ کا یہ رسول جو اب آیا ہے اُسی اصل دین کی طرف پلٹنے کی اُنہیں دعوت دے رہا ہے۔

آخر میں صاف صاف ارشاد ہوا ہے کہ جو اہلِ کتاب اور مشرکین اس رسولؐ کو ماننے سے انکار کریں گے وہ بدترین خلائق ہیں، اُن کی سزا اَبدی جہنّم ہے، اور جو لوگ ایمان لاکر عملِ صالح کا طریقہ اختیار کریں گے اور دنیا میں خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرینگے وہ بہترینِ خلائق ہیں، اُن کی جزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

اہلِ کتاب اور مشرکینؔ میں سے جو لوگ کافر تھےؔ (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک

ؔ کفر میں مشترک ہونے کے باوجود اِن دونوں گروہوں کو دو الگ الگ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس پہلے انبیاء کی لائی ہوئی کتابوں میں سے کوئی کتاب، خواہ تحریف شدہ شکل ہی میں سہی، موجود تھی اور وہ اُسے مانتے تھے۔ اور مشرکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی نبی کے پیرو اور کسی کتاب کے ماننے والے نہ تھے۔ قرآن مجید میں اگرچہ اہلِ کتاب کے شِرک کا ذکر بہت سے مقامات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا ایک ہے (المائدہ - ۷۳)۔ وہ مسیح ہی کو خدا کہتے ہیں (المائدہ ۱۷)۔ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں (التوبہ - ۳۰)۔ اور یہود کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ عُزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں (التوبہ - ۳۰)۔ لیکن اس کے باوجود قرآن میں کہیں اُن کے لیے "مشرک" کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی بلکہ ان کا ذکر اہلِ کتاب یا اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ (جن کو کتاب دی گئی تھی)، یا یہود اور نصاریٰ کے الفاظ سے کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اصل دین توحید ہی کو مانتے تھے اور پھر شرک کرتے تھے۔ بخلاف اِس کے غیر اہلِ کتاب کے لیے "مشرک" کا لفظ بطور اصطلاح استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وہ اصلِ دین شرک ہی کو قرار دیتے تھے اور توحید کے ماننے سے اُن کو قطعی انکار تھا۔ یہ فرق اِن دونوں گروہوں کے درمیان صرف اصطلاح ہی میں نہیں بلکہ شریعت کے احکام میں بھی ہے۔ اہلِ کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال کیا گیا ہے اگر وہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کو صحیح طریقہ سے ذبح کریں، اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے برعکس مشرکین کا نہ ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح حلال۔

ؔ یہاں کفر اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جن میں کافرانہ رویّہ کی مختلف صورتیں شامل ہیں۔ مثلاً کوئی اِس معنی میں کافر تھا کہ سرے سے اللہ ہی کو نہ مانتا تھا۔ کوئی اللہ کو مانتا تھا مگر اسے واحد معبود نہ مانتا تھا بلکہ خدا کی ذات یا خدائی کی صفات و اختیارات میں کسی نہ کسی طور پر دوسروں کو شریک ٹھیرا کر اُن کی عبادت بھی کرتا تھا۔ کوئی اللہ کی وحدانیت بھی مانتا تھا مگر اس کے باوجود کسی نوعیت کا شرک بھی کرتا تھا۔ کوئی خدا کو مانتا تھا مگر اس کے نبیوں کو نہیں مانتا تھا اور اُس ہدایت کو قبول کرنے کا قائل نہ تھا جو انبیاء کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی کسی نبی کو مانتا تھا اور کسی دوسرے نبی کا انکار کرتا تھا۔ کوئی آخرت کا منکر تھا۔ غرض مختلف قسم کے کفر تھے جن میں لوگ مبتلا تھے۔ اور یہ

کہ ان کے پاس دلیلِ روشن نہ آجائے[۳] (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول[۴] جو پاک صحیفے پڑھ کر

جو فرمایا کہ "اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے" اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ کفر میں مبتلا نہ تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کفر میں مبتلا ہونے والے دو گروہ تھے۔ ایک اہلِ کتاب، دوسرے مشرکین۔ یہاں مِنْ تبعیض کے لیے نہیں بلکہ بیان کے لیے ہے۔ جس طرح سورۂ حج آیت ۳۰ میں فرمایا گیا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں کی گندگی سے بچو، نہ یہ کہ بتوں میں جو گندگی ہے اُس سے بچو۔ اسی طرح اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ کا مطلب بھی یہ ہے کہ کفر کرنے والے جو اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے ہیں، نہ یہ کہ ان دونوں گروہوں میں سے جو لوگ کفر کرنے والے ہیں۔

۳؎ یعنی اُن کے اِس حالتِ کفر سے نکلنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ ایک دلیلِ روشن آکر انہیں کفر کی ہر صورت کا غلط اور خلافِ حق ہونا سمجھاتے اور راہِ راست کو واضح اور مدلل طریقے سے ان کے سامنے پیش کر دے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس دلیلِ روشن کے آجانے کے بعد وہ سب کفر سے باز آجانے والے تھے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دلیل کی غیر موجودگی میں تو ان کا اس حالت سے نکلنا ممکن ہی نہ تھا۔ البتہ اس کے آنے کے بعد بھی اُن میں سے جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں اُس کی ذمہ داری پھر اُنہی پر ہے۔ اس کے بعد وہ اللہ سے یہ شکایت نہیں کر سکتے کہ آپ نے ہماری ہدایت کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ نحل میں فرمایا وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ "سیدھا راستہ بتانا اللہ کے ذمہ ہے" (آیت ۹)۔ سورۂ لیل میں فرمایا اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی "راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے" (آیت ۱۲)۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ... رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ "اے نبی ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُس کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی تھی ... ان رسولوں کو بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنایا گیا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے" (النساء۔ ۱۶۴-۱۶۵)۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ۔ "اے اہلِ کتاب، تمہارے پاس ہمارا رسول حقیقت واضح کرنے کے لیے رسولوں کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد آگیا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا۔ سو لو اب تمہارے

سناتے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں۔
پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں تفرقہ برپا نہیں ہوا مگر اس کے بعد کہ اُن کے پاس (راہ راست کا) بیانِ واضح آچکا تھا۔ اور اُن کو اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی

پاس بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا آگیا" (المائدہ - ۱۹)

سکہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذاتِ خود ایک دلیلِ روشن کہا گیا ہے، اس لیے کہ آپ کی نبوت سے پہلے کی اور بعد کی زندگی، آپ کا اُمّی ہونے کے باوجود قرآن جیسی کتاب پیش کرنا، آپ کی تعلیم اور صحبت کے اثر سے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں غیر معمولی انقلاب رونما ہو جانا، آپ کا بالکل معقول عقائد، نہایت ستھری عبادات، کمال درجہ کے پاکیزہ اخلاق، اور انسانی زندگی کے لیے بہترین اصول و احکام کی تعلیم دینا، آپ کے قول اور عمل میں پوری پوری مطابقت کا پایا جانا، اور آپ کا ہر قسم کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا، یہ ساری باتیں اس بات کی کھلی علامات تھیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ھ لغت کے اعتبار سے تو صحیفوں کے معنی ہیں "لکھے ہوئے اوراق" لیکن قرآن مجید میں اصطلاحاً یہ لفظ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور پاک صحیفوں سے مراد ہیں ایسے صحیفے جن میں کسی قسم کے باطل کی، کسی طرح کی گمراہی و ضلالت، اور کسی اخلاقی گندگی کی آمیزش نہ ہو۔ ان الفاظ کی پوری اہمیت اُس وقت واضح ہوتی ہے جب انسان قرآن مجید کے مقابلے میں بائیبل (اور دوسرے مذاہب کی کتابوں کا بھی) مطالعہ کرتا ہے اور ان میں صحیح باتوں کے ساتھ ایسی باتیں لکھی ہوئی دیکھتا ہے جو حق و صداقت اور عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہیں اور اخلاقی اعتبار سے بھی بہت گری ہوئی ہیں۔ اُن کو پڑھنے کے بعد جب آدمی قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی پاک اور مطہر کتاب ہے۔

لے یعنی اِس سے پہلے اہلِ کتاب جو مختلف گمراہیوں میں بھٹک کر بے شمار فرقوں میں بٹ گئے اُس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اُن کی رہنمائی کے لیے دلیلِ روشن بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی، بلکہ یہ روش انہوں نے اللہ کی جانب سے رہنمائی آجانے کے بعد اختیار کی تھی، اس لیے اپنی گمراہی کے وہ خود ذمہ دار تھے، کیونکہ ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اِسی طرح اب چونکہ اُن کے صحیفے پاک نہیں رہے ہیں اور ان کی کتابیں بالکل راست اور درست تعلیمات پر مشتمل نہیں رہی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک دلیلِ روشن کی حیثیت سے اپنا ایک رسول بھیج کر اور

کریں، اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، بالکل یک سُو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔[۷]

اہلِ کتاب اور مُشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے[۸] وہ یقیناً جہنّم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔[۹] جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔[۱۰] اُن کی جزا اُن کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنّتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ

اس کے ذریعہ سے پاک صحیفے بالکل راست اور درست تعلیمات پر مشتمل پیش کر کے اُن پر پھر حجت تمام کر دی ہے، تاکہ اس کے بعد بھی اگر وہ متفرق رہیں تو اس کی ذمہ داری اُنہی پر ہو، اللہ کے مقابلہ میں وہ کوئی حُجت پیش نہ کر سکیں۔ یہ بات قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر فرمائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو البقرہ، آیات ۲۱۳-۲۵۳۔ آلِ عمران، ۱۹۔ المائدہ، ۴۴ تا ۵۰۔ یونس، ۹۳۔ الشوریٰ، ۱۳ تا ۱۵۔ الجاثیہ، ۱۶ تا ۱۸۔ اس کے ساتھ اگر وہ حواشی بھی پیشِ نظر رکھے جائیں جو تفہیم القرآن میں اِن آیات پر ہم نے لکھے ہیں تو بات سمجھنے میں مزید آسانی ہو گی۔

۷؎ یعنی جس دین کو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں، اِسی دین کی تعلیم اہلِ کتاب کو اُن کے ہاں آنے والے انبیاء اور اُن کے ہاں نازل ہونے والی کتابوں نے دی تھی، اور اُن عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ میں سے کسی چیز کا اُنہیں حکم نہیں دیا گیا تھا جنہیں انہوں نے بعد میں اختیار کر کے مختلف مذاہب بنا ڈالے۔ صحیح اور درست دین ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے، اُس کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی کی آمیزش نہ کی جائے، ہر طرف سے رُخ پھیر کر انسان صرف ایک اللہ کا پرستار اور تابعِ فرمان بن جائے، نماز قائم کی جائے، اور زکوٰۃ ادا کی جائے (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۱۹۔ یونس، حواشی ۱۰۸-۱۰۹۔ جلد سوم، الروم، حواشی ۴۳ تا ۴۷۔ جلد چہارم، الزمر، حواشی ۳-۴)۔

اس آیت میں دین القیّمہ کے جو الفاظ آئے ان کو بعض مفسّرین نے دینُ المِلّۃِ القَیِّمَۃِ یعنی "راست رو ملّت کا دین" کے معنی میں لیا ہے اور بعض اسے اضافتِ صفت الی الموصوف قرار دیتے ہیں اور قیّمہ کی ۃ کو علّامہ اور فہّامہ کی طرح مبالغہ کی ۃ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیے ہیں۔

۸؎ یہاں کفر سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے اُس رسول کے آجانے کے بعد اُس کو نہیں مانا جس کا وجود ایک دلیلِ روشن ہے اور جو

رہی ہونگی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔
یہ کچھ ہے اُس شخص کے لیے جس نے اپنے رب کا خوف کیا ہو ؏

بالکل درست تحریروں پر مشتمل پاک صحیفے اُن کو پڑھ کر سنا رہا ہے، اُن کا انجام وہ ہے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔

۹ یعنی خدا کی مخلوقات میں اُن سے بدتر کوئی مخلوق نہیں ہے حتیٰ کہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ جانور عقل اور اختیار نہیں رکھتے، اور یہ عقل اور اختیار رکھتے ہوئے حق سے منہ موڑتے ہیں۔

۱۰ یعنی وہ خدا کی مخلوقات میں سب سے، حتیٰ کہ ملائکہ سے بھی افضل و اشرف ہیں۔ کیونکہ فرشتے نافرمانی کا اختیار ہی نہیں رکھتے، اور یہ اُس کا اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔

۱۱ بالفاظ دیگر جو شخص خدا سے بے خوف اور اس کے مقابلہ میں جری و بے باک بن کر نہیں رہا بلکہ دنیا میں قدم قدم پر اس بات سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتا رہا کہ کہیں مجھ سے ایسا کوئی کام نہ ہو جائے جو خدا کے ہاں میری پکڑ کا موجب ہو، اس کے لیے خدا کے پاس یہ جزا ہے۔

تفہیم القرآن جلد پنجم میں حسبِ ذیل مقامات تصحیح طلب ہیں :-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۴	۱۱	جلد پنجم	جلد چہارم
۴۲۴	۱	فَقَدَ	فَقَدْ
۴۴۱	۴	اس معاملہ	اس معاملہ میں
۴۶۷	۱۰	ایسویں	انیسویں
؍؍	۱۲	GEIASIUS	GELASIUS
؍؍	۱۸	ینصرون دینِ اللہ	ینصرون دینَ اللہ
۴۸۴	۲۰	ملا گیا	ملایا گیا
۴۹۶	۱۹	جائز اعذر	جائز عذر
۵۲۹	۱۰	SCRIPTUVE	SCRIPTURE

تفہیم القرآن

الزلزال

نام | پہلی آیت کے لفظ زِلْزَالَھَا سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول | اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن مسعودؓ، عطاء، جابر اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ مکی ہے اور ابن عباسؓ کا بھی ایک قول اس کی تائید کرتا ہے۔ بخلاف اس کے قتادہ اور مُقاتل کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے اور ابن عباس سے بھی دوسرا قول اس کے مدنی ہونے کی تائید میں نقل ہوا ہے۔ اس کے مدنی ہونے پر حضرت ابوسعیدؓ خُدری کی اُس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جو ابن ابی حاتم نے اُن سے نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنا عمل دیکھنے والا ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا یہ بڑے بڑے گناہ؟ آپ نے جواب دیا ہاں۔ میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے چھوٹے گناہ بھی؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ اس پر میں نے کہا پھر تو میں مارا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اے ابوسعید، کیونکہ ہر نیکی اپنے جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اس حدیث سے اس سورہ کے مدنی ہونے پر استدلال کی بنا یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خُدری مدینے کے رہنے والے تھے اور غزوۂ اُحُد کے بعد سنِ بلوغ کو پہنچے۔ اس لیے اگر یہ سورۃ ان کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے، تو اسے مدنی ہونا چاہیے۔ لیکن صحابہ اور تابعین کا جو طریقہ آیات اور سورتوں کی شانِ نزول کے بارے میں تھا، اس کی تشریح اس سے پہلے ہم سورۂ دہر کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔ اس لیے کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی، اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا نزول اُسی وقت ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوسعید نے ہوش سنبھالنے

کے بعد جب پہلی مرتبہ حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ سُورۃ سُنی ہو اُس وقت اِس کے آخری حصے سے خوف زدہ ہو کر اُنہوں نے حضورؐ سے وہ سوالات کیے ہوں جو اوپر درج کیے گئے ہیں، اور اِس واقعہ کو انہوں نے اس طرح بیان کیا ہو کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مَیں نے حضورؐ سے یہ عرض کیا۔ اگر یہ روایت سامنے نہ ہو تو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے والا ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ یہ مکّی سُورۃ ہے، بلکہ اِس کے مضمون اور اندازِ بیان سے تو اُس کو یہ محسوس ہو گا کہ یہ مکّے کے بھی اُس ابتدائی دَور میں نازل ہوئی ہو گی جب نہایت مختصر اور انتہائی دل نشین طریقہ سے اسلام کے بنیادی عقائد لوگوں کے سامنے پیش کیے جا رہے تھے۔

موضوع اور مضمون | اِس کا موضوع ہے موت کے بعد دوسری زندگی اور اُس میں اُن سب اعمال کا پُورا کچا چٹھا انسان کے سامنے آ جانا جو اُس نے دنیا میں کیے تھے۔ سب سے پہلے تین مختصر فقروں میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی کس طرح واقع ہو گی اور وہ انسان کے لیے کیسی حیران کُن ہو گی۔ پھر دو فقروں میں بتایا گیا ہے کہ یہی زمین جس پر رہ کر انسان نے بے فکری کے ساتھ ہر طرح کے اعمال کیے ہیں، اور جس کے متعلق کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ بے جان چیز کسی وقت اُس کے افعال کی گواہی دے گی، اُس روز اللہ تعالیٰ کے حکم سے بول پڑے گی اور ایک ایک انسان کے متعلق یہ بیان کر دے گی کہ کس وقت کہاں اس نے کیا کام کیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اُس دن زمین کے گوشے گوشے سے انسان گروہ در گروہ اپنے مرقدوں سے نکل نکل کر آئیں گے تاکہ اُن کے اعمال اُن کو دکھائے جائیں، اور اعمال کی یہ پیشی ایسی مکمل اور مفصّل ہو گی کہ کوئی ذرّہ برابر نیکی یا بدی بھی ایسی نہ رہ جائے گی جو سامنے نہ آ جائے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی[۱]، اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی[۲]، اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے[۳]، اُس روز وہ اپنے

---

[۱] اصل الفاظ ہیں زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ زلزلہ کے معنی پے در پے زور زور سے حرکت کرنے کے ہیں۔ پس زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو جھٹکے پر جھٹکے دے کر شدت کے ساتھ ہلا ڈالا جائے گا۔ اور چونکہ زمین کو ہلانے کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اِس سے خود بخود یہ مطلب نکلتا ہے کہ زمین کا کوئی مقام یا کوئی حصہ یا علاقہ نہیں بلکہ پوری کی پوری زمین ہلا ماری جائے گی۔ پھر اس زلزلے کی مزید شدت کو ظاہر کرنے کے لیے زِلْزَالَهَا کا اُس پر اضافہ کیا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں "اُس کا ہلایا جانا"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو ایسا ہلایا جائے گا جیسا اُس جیسے عظیم کرّے کو ہلانے کا حق ہے، یا جو اُس کے ہلائے جانے کی انتہائی ممکن شدت ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس زلزلے سے مراد وہ پہلا زلزلہ لیا ہے جس سے قیامت کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوگا یعنی جب ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی اور دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک اِس سے مراد وہ زلزلہ ہے جس سے قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا، یعنی جب تمام اگلے پچھلے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ یہی دوسری تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعد کا سارا مضمون اِسی پر دلالت کرتا ہے۔

[۲] یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ انشقاق آیت ۴ میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ "اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی"۔ اِس کے کئی مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں جس شکل اور جس حالت میں بھی پڑے ہونگے اُن سب کو وہ نکال کر باہر ڈال دے گی، اور بعد کا فقرہ اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت اُن کے جسم کے تمام بکھرے ہوئے اجزاء جمع ہو کر ازسرِنو اُسی شکل و صورت میں زندہ ہو جائیں گے جس میں وہ پہلی زندگی کی حالت میں تھے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یہ کیسے کہیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہو رہا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ صرف مرے ہوئے انسانوں ہی کو وہ باہر نکال پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی، بلکہ ان کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اُس کی تہوں میں دبا پڑا ہے اُس سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اِس پر بعد کا یہ فقرہ دلالت

داو پر گزرے ہوئے، حالات بیان کرے گی[۴] کیونکہ تیرے رب نے اُسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا۔

کرتا ہے کہ زمین اپنے او پر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی تیسرا مطلب بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سونا، چاندی، جواہر اور ہر قسم کی دولت جو زمین کے پیٹ میں ہے اس کے بھی ڈھیر کے ڈھیر وہ باہر نکال کر رکھ دیگی اور انسان دیکھے گا کہ یہی ہیں وہ چیزیں جن پر وہ دنیا میں مرا جاتا تھا، جن کی خاطر اُس نے قتل کیے، حق داروں کے حقوق مارے، چوریاں کیں، ڈاکے ڈالے، خشکی اور تری میں قزاقیاں کیں، جنگ کے معرکے برپا کیے اور پوری پوری قوموں کو تباہ کر ڈالا۔ آج وہ سب کچھ سامنے موجود ہے اور اُس کے کسی کام کا نہیں ہے بلکہ الٹا اس کے لیے عذاب کا سامان بنا ہوا ہے۔

۳؎ انسان سے مراد ہر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ زندہ ہو کر ہوش میں آتے ہی پہلا تأثر ہر شخص پر یہی ہوگا کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے، بعد میں اُس پر یہ بات کھلے گی کہ یہ روزِ حشر ہے۔ اور انسان سے مراد آخرت کا مُنکر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جس چیز کو وہ غیر ممکن سمجھتا تھا وہ اس کے سامنے برپا ہو رہی ہو گی اور وہ اس پر حیران و پریشان ہو گا۔ رہے اہلِ ایمان تو ان پر یہ حیرانی و پریشانی طاری نہ ہو گی، اس لیے کہ سب کچھ ان کے عقیدہ و یقین کے مطابق ہو رہا ہو گا۔ ایک حد تک اس دوسرے معنی کی تائید سورۂ یٰسین کی آیت ۵۲ کرتی ہے جس میں ذکر آیا ہے کہ اُس وقت منکرینِ آخرت کہیں گے کہ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا "کس نے ہماری خواب گاہ سے ہمیں اُٹھا دیا؟" اور جواب ملے گا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ "یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمان نے وعدہ کیا تھا اور خدا کے بھیجے ہوئے رسُولوں نے سچ کہا تھا"۔ یہ آیت اِس معاملہ میں صریح نہیں ہے کہ کافروں کو یہ جواب اہلِ ایمان ہی دیں گے، کیونکہ آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے، لیکن اس امر کا احتمال ضرور ہے کہ اہلِ ایمان کی طرف سے اُن کو یہ جواب ملے گا۔

۴؎ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا "جانتے ہو اُس کے وہ حالات کیا ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا "وہ حالات یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اُس عمل کی گواہی دے گی جو اس کی پیٹھ پر اس نے کیا ہو گا۔ وہ کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں کام کیا تھا۔ یہ ہیں وہ حالات جو زمین بیان کرے گی" (مُسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، عبد بن حُمید، ابن المُنذِر، حاکم، ابن مَردُویہ، بیہقی فی الشعب)۔ حضرت ربیعۃ الخرشی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے اور اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا

نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے خواہ اچھا ہو یا بُرا" (معجم الطبرانی)۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "قیامت کے روز زمین ہر اُس عمل کو لے آئے گی جو اُس کی پیٹھ پر کیا گیا ہو" پھر آپؐ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں (ابن مَرْدُوْیہ۔ بیہقی)۔ حضرت علیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سب روپیہ اہل حقوق میں تقسیم کرکے اُسے خالی کر دیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر فرماتے "تجھے گواہی دینی ہو گی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا"۔

زمین کے متعلق یہ بات کہ وہ قیامت کے روز اپنے اوپر گزرے ہوئے سب حالات اور واقعات بیان کرے گی، قدیم زمانے کے آدمی کے لیے تو بڑی حیران کُن ہو گی کہ آخر زمین کیسے بولنے لگے گی لیکن آج علوم طبیعی کے انکشافات اور سینما، لاؤڈ اسپیکر، ریڈیو، ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈر، الکٹرانکس وغیرہ ایجادات کے اِس دَور میں یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی۔ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے اُس کے نقوش ہوا میں، ریڈیائی لہروں میں، گھروں کی دیواروں اور اُن کے فرش اور چھت کے ذرے ذرے میں، اور اگر کسی سڑک یا میدان یا کھیت میں آدمی نے بات کی ہو تو اُن سب کے ذرات میں ثبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے ان ساری آوازوں کو ٹھیک اُسی طرح اِن چیزوں سے دُہروا سکتا ہے جس طرح کبھی وہ انسان کے مُنہ سے نکلی تھیں۔ انسان اپنے کانوں سے اُس وقت سُن لے گا کہ یہ اُس کی اپنی ہی آوازیں ہیں، اور اُس کے سب جاننے والے پہچان لیں گے کہ جو کچھ وہ سُن رہے ہیں وہ اِسی شخص کی آواز اور اِسی کا لہجہ ہے۔ پھر انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اس کی ایک ایک حرکت کا عکس اُس کے گرد وپیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے اور اس کی تصویر اُن پر نقش ہو چکی ہے۔ بالکل گھُپ اندھیرے میں بھی اُس نے کوئی فعل کیا ہو تو خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لیے اندھیرا اور اُجالا کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہیں۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے روز ایک متحرک فلم کی طرح انسان کے سامنے آجائیں گی اور یہ دکھا دیں گی کہ وہ زندگی بھر کس وقت، کہاں کہاں کیا کچھ کرتا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو براہِ راست خود جانتا ہے، مگر آخرت میں جب وہ عدالت قائم کرے گا تو جس کو بھی سزا دے گا، انصاف کے تمام تقاضے پُورے کر کے دیگا۔ اُس کی عدالت میں ہر مجرم انسان کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا جائے گا اُس کو ایسی مکمل شہادتوں سے ثابت کر دیا جائے گا کہ اس کے مجرم ہونے میں کسی کلام کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ سب سے پہلے تو وہ نامۂ اعمال ہے جس میں ہر وقت اُس کے ساتھ لگے ہوئے کراماً کاتبین اس کے ایک ایک قول اور فعل کا ریکارڈ درج کر رہے ہیں (ق، آیات ۱۷-۱۸۔ الانفطار، آیات

اُس روز لوگ متفرّق حالت میں پلٹیں گے[شہ] تاکہ اُن کے اعمال اُن کو دکھائے جائیں[ہ]۔ پھر جس نے ذرّہ برابر

ا تا ۱۳)۔ یہ نامۂ اعمال اُس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ پڑھ اپنا کارنامۂ حیات، اپنا حساب لینے کے لیے تو خود کافی ہے (بنی اسرائیل-۱۴)۔ انسان اسے پڑھ کر حیران رہ جائے گا کہ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں ٹھیک ٹھیک درج نہ ہو (الکہف ۴۹)۔ اِس کے بعد انسان کا اپنا جسم ہے جس سے اُس نے دنیا میں کام لیا ہے۔ اللہ کی عدالت میں اُس کی اپنی زبان شہادت دیگی کہ اُس سے وہ کیا کچھ بولتا رہا ہے، اس کے اپنے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے کہ ان سے کیا کیا کام اُس نے لیے (النور-۲۴)۔ اس کی آنکھیں شہادت دینگی، اس کے کان شہادت دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کچھ دیکھا اور کیا کچھ سنا۔ اس کے جسم کی پوری کھال اس کے افعال کی شہادت دیگی۔ وہ حیران ہو کر اپنے اعضا سے کہے گا کہ تم بھی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ اس کے اعضا جواب دینگے کہ آج جس خدا کے حکم سے ہر چیز بول رہی ہے اسی کے حکم سے ہم بھی بول رہے ہیں (حٰمٓ السجدہ-۲۰ تا ۲۲)! اس پر مزید وہ شہادتیں ہیں جو زمین اور اس کے پورے ماحول سے پیش کی جائیں گی جن میں آدمی اپنی آوازیں خود اپنے کانوں سے، اور اپنی حرکات کی ہوبہو تصویریں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ انسان کے دل میں جو خیالات، ارادے اور مقاصد چھپے ہوئے تھے، اور جن نیتوں کے ساتھ اس نے سارے اعمال کیے تھے وہ بھی نکال کر سامنے رکھ دیے جائیں گے، جیسا کہ آگے سورۂ عادیات میں آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے قطعی اور صریح اور ناقابلِ انکار ثبوت سامنے آجانے کے بعد انسان دم بخود رہ جائے گا اور اُس کے لیے اپنی معذرت میں کچھ کہنے کا موقع باقی نہ رہے گا (المرسلٰت، آیات ۳۵-۳۶)۔

شہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک اکیلا اپنی انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ خاندان، جتھے، پارٹیاں، قومیں، سب بکھر جائیں گی۔ یہ بات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس روز لوگوں سے فرمائے گا کہ "لو اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا" (آیت ۹۴)۔ اور سورۂ مریم میں فرمایا "یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا" (آیت ۸۰)، اور یہ کہ "اِن میں سے ہر ایک قیامت کے روز اللہ کے حضور اکیلا حاضر ہوگا" (آیت ۹۵)۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جو ہزارہا برس کے دوران میں جگہ جگہ مرے تھے، زمین کے گوشے گوشے سے گروہ در گروہ چلے آرہے ہونگے، جیسا کہ سورۂ نبأ میں فرمایا گیا "جس روز صُور میں پھونک ماردی جائے گی تم فوج در فوج آجاؤ گے" (آیت ۱۸)۔ اس کے علاوہ جو مطلب مختلف مفسرین نے بیان کیے ہیں اُن کی گنجائش لفظ اَشْتَاتًا میں نہیں ہے، اس لیے ہمارے

ع نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ۔ اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ۔ ع

نزدیک وہ اِس لفظ کے معنوی حدود سے باہر ہیں، اگرچہ بجائے خود صحیح ہیں اور قرآن و حدیث کے بیان کردہ احوالِ قیامت سے مطابقت رکھتے ہیں۔

۶ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو اُن کے اَعمال دکھائے جائیں، یعنی ہر ایک کو بتایا جائے کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اُن کو ان کے اعمال کی جزا دکھائی جائے۔ اگرچہ یہ دوسرے معنی بھی لِیُرَوْا اَعْمَالَہُم کے لیے جا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے لِیُرَوْا جَزَاءَ اَعْمَالِہِمْ (تاکہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دکھائی جائے) نہیں فرمایا ہے بلکہ لِیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ (تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں) فرمایا ہے۔ اس لیے پہلے معنی ہی قابلِ ترجیح ہیں، خصوصاً جبکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ کافر و مومن، صالح و فاسق، تابعِ فرمان اور نافرمان، سب کو ان کے نامۂ اعمال ضرور دیئے جائیں گے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الحاقّہ، آیات ۱۹ و ۲۵، اور الانشقاق، آیات ۷ و ۱۰)۔ ظاہر ہے کہ کسی کو اُس کے اعمال دکھانے، اور اس کا نامۂ اعمال اس کے حوالہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علاوہ بریں زمین جب اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات پیش کرے گی تو حق و باطل کی وہ کشمکش جو ابتدا سے برپا ہے اور قیامت تک برپا رہے گی، اُس کا پورا نقشہ بھی سب کے سامنے آجائے گا، اور اس میں سب ہی دیکھ لیں گے کہ حق کے لیے کام کرنے والوں نے کیا کچھ کیا، اور باطل کی حمایت کرنے والوں نے ان کے مقابلہ میں کیا کیا حرکتیں کیں۔ بعید نہیں کہ ہدایت کی طرف بلانے والوں اور ضلالت پھیلانے والوں کی ساری تقریریں اور گفتگوئیں لوگ اپنے کانوں سے سُن لیں۔ دونوں طرف کی تحریروں اور لٹریچر کا پورا ریکارڈ جوں کا توں سب کے سامنے لا کر رکھ دیا جائے۔ حق پرستوں پر باطل پرستوں کے ظلم، اور دونوں گروہوں کے درمیان برپا ہونے والے معرکوں کے سارے مناظر میدانِ حشر کے حاضرین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

۷ اِس ارشاد کا ایک سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آدمی کی کوئی ذرہ برابر نیکی یا بدی بھی ایسی نہیں ہوگی جو اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو، اُسے وہ بہرحال دیکھ لے گا۔ لیکن اگر دیکھنے سے مُراد اُس کی جزا و سزا دیکھنا لیا جائے تو اس کا یہ مطلب لینا بالکل غلط ہے کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو دی جائے گی، اور کوئی شخص بھی وہاں اپنی کسی نیکی کی جزا اور کسی بدی کی سزا پانے سے نہ بچ سکے گا۔ کیونکہ اول تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ایک ایک بُرے عمل کی سزا، اور ایک ایک اچھے عمل کی جزا الگ الگ دی جائے گی۔ دوسرے اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مومن بھی کسی چھوٹے

چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچے گا، اور کوئی بدترین کافر و ظالم اور بدکار انسان بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہ رہے گا۔ یہ دونوں معنی قرآن اور حدیث کی تصریحات کے بھی خلاف ہیں، اور عقل بھی اسے نہیں مانتی کہ یہ تقاضائے انصاف ہے۔ عقل کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ بات آخر کیسے سمجھ میں آنے کے قابل ہے کہ آپ کا کوئی خادم نہایت وفادار اور خدمت گزار ہو، لیکن آپ اُس کے کسی چھوٹے سے قصور کو بھی معاف نہ کریں اور اس کی ایک ایک خدمت کا اجر و انعام دینے کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی اُسے دے ڈالیں۔ اسی طرح یہ بھی عقلاً ناقابلِ فہم ہے کہ آپ کا پروردہ کوئی شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں، وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب ہمیشہ نمک حرامی ہی سے دیتا رہے، مگر آپ اس کے مجموعی رویّے کو نظر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی الگ سزا اور اس کی ایک ایک خدمت کی، خواہ وہ کسی وقت پانی لاکر دے دینے یا پنکھا جھل دینے ہی کی خدمت ہو، الگ جزا دیں۔ اب رہے قرآن و حدیث، تو وہ وضاحت کے ساتھ مومن، منافق، کافر، مومنِ صالح، مومنِ خطاکار، مومنِ ظالم و فاسق، محض کافر، اور کافرِ مفسد و ظالم وغیرہ مختلف قسم کے لوگوں کی جزا و سزا کا ایک مفصل قانون بیان کرتے ہیں اور یہ جزا و سزا دنیا سے آخرت تک انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید اصولی طور پر چند باتیں بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے:

اوّل یہ کہ کافر و مشرک اور منافق کے اعمال (یعنی وہ اعمال جن کو نیکی سمجھا جاتا ہے) ضائع کر دیے گئے، آخرت میں وہ ان کا کوئی اجر نہیں پاسکیں گے۔ اُن کا اگر کوئی اجر ہے بھی تو وہ دنیا ہی میں اُن کو مل جائے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الاعراف ۱۴۷۔ التوبہ ۱۷، ۶۷ تا ۶۹۔ ہود ۱۵-۱۶۔ ابراہیم ۱۸۔ الکہف ۱۰۴-۱۰۵۔ النور ۳۹۔ الفرقان ۲۳۔ الاحزاب ۱۹۔ الزُّمَر ۶۵۔ الاحقاف ۲۰۔

دوم یہ کہ بدی کی سزا اُتنی ہی دی جائے گی جتنی بدی ہے، مگر نیکیوں کی جزا اصل فعل سے زیادہ دی جائے گی، بلکہ کہیں تصریح ہے کہ ہر نیکی کا اجر اس سے ۱۰ گنا ہے، اور کہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ جتنا چاہے نیکی کا اجر بڑھا کر دے۔ ملاحظہ ہو البقرہ ۲۶۱۔ الانعام ۱۶۰۔ یونس ۲۶-۲۷۔ النور ۳۸۔ القصص ۸۴۔ سبا ۳۷۔ المومن ۴۰۔

سوم یہ کہ مومن اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کریں گے تو اُن کے چھوٹے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ النساء ۳۱۔ الشوریٰ ۳۷۔ النجم ۳۲۔

چہارم یہ کہ مومنِ صالح سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اس کی بُرائیوں سے درگزر کیا جائے گا اور اس کے

بہترین اعمال کے لحاظ سے اس کو اجر دیا جائے گا۔ العنکبوت ۷۔ الزمر ۳۵۔ الاحقاف ۱۶۔ الانشقاق ۸۔

احادیث بھی اِس معاملہ کو بالکل صاف کر دیتی ہیں۔ اس سے پہلے ہم سورۂ انشقاق کی تفسیر میں وہ احادیث نقل کر چکے ہیں جو قیامت کے روز ہلکے حساب اور سخت حساب فہمی کی تشریح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمائی ہیں (تفہیم القرآن، جلد ششم، الانشقاق، حاشیہ ۶)۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اِتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ کیا میں اُس ذرہ برابر برائی کا نتیجہ دیکھوں گا جو مجھ سے سرزد ہوئی؟" حضورؐ نے فرمایا، "اے ابوبکر دنیا میں جو معاملہ بھی تمہیں ایسا پیش آتا ہے جو تمہیں ناگوار ہو وہ اُن ذرہ برابر برائیوں کا بدلہ ہے جو تم سے صادر ہوں، اور جو ذرہ برابر نیکیاں بھی تمہاری ہیں انہیں اللہ آخرت میں تمہارے لیے محفوظ رکھ رہا ہے" (ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی فی الاوسط، بیہقی فی الشعب، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ، عبد بن حُمید)۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا اس کی جزاء آخرت میں ہے اور جو کسی قسم کی برائی کرے گا وہ اسی دنیا میں اس کی سزا مصائب اور امراض کی شکل میں بھگت لے گا" (ابن مَردُوْیَہ)۔ قَتَادہ نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں اس کی نیکیوں کے بدلے وہ رزق دیتا ہے اور آخرت میں ان کی جزا دے گا۔ رہا کافر، تو دنیا میں اس کی بھلائیوں کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے، پھر جب قیامت ہوگی تو اس کے حساب میں کوئی نیکی نہ ہوگی" (ابن جریر)۔ مسروق حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عبداللہ بن جُدْعان جاہلیت کے زمانہ میں صلہ رحمی کرتا تھا، مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، مہمان نواز تھا، اسیروں کو رہائی دلواتا تھا۔ کیا آخرت میں یہ اس کے لیے نافع ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، اس نے مرتے وقت تک کبھی یہ نہیں کہا کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ "میرے پروردگار، روزِ جزا میں میری خطا معاف کیجیو" (ابن جریر)۔ اِسی طرح کے جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اور لوگوں کے بارے میں بھی دیئے ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں نیک کام کرتے تھے، مگر مرے کفر و شرک ہی کی حالت میں تھے لیکن حضورؐ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی نیکی اُسے جہنم کے عذاب سے تو نہیں بچا سکتی، البتہ جہنم میں اس کو وہ سخت سزا نہ دی جائے گی جو ظالم اور فاسق اور بدکار کافروں کو دی جائیگی مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ حاتم طائی کی سخاوت کی وجہ سے اُسے ہلکا عذاب دیا جائے گا (روح المعانی)۔

تاہم یہ آیت انسان کو ایک بہت اہم حقیقت پر متنبہ کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اپنا ایک وزن اور اپنی ایک قدر رکھتی ہے، اور یہی حال بدی کا بھی ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی حساب میں آنے والی چیز ہے، یونہی نظر انداز کر دینے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کسی چھوٹی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر اسے چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ ایسی بہت سی نیکیاں مل کر اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک بہت بڑی نیکی قرار پا سکتی ہیں، اور کسی چھوٹی سے چھوٹی بدی کا ارتکاب بھی نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح کے بہت سے چھوٹے گناہ مل کر گناہوں کا ایک انبار بن سکتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عدی بن حاتم سے یہ روایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "دوزخ کی آگ سے بچو خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا دینے یا ایک اچھی بات کہنے ہی کے ذریعہ سے ہو"۔ انہی حضرت عدی سے صحیح روایت میں حضورؐ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "کسی نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھو خواہ وہ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ایک ڈول ڈال دینا ہو، یا یہی نیکی ہو کہ تم اپنے کسی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو"۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا "اے مسلمان عورتو، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہاں کوئی چیز بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو"۔ مسند احمد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے "اے عائشہ، اُن گناہوں سے بچی رہنا جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں ان کی پرسش بھی ہونی ہے"۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "خبردار، چھوٹے گناہوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ وہ سب آدمی پر جمع ہو جائیں گے یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیں گے"۔ (گناہ کبیرہ اور صغیرہ کے فرق کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، النساء، حاشیہ ۵۳۔ جلد پنجم، النجم، حاشیہ ۳۲)۔

لیبیا میں اسلامی قانون کا نفاذ

کرنل معمر القذافی کی قیادت میں لیبیا کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کی عظیم الشان کوشش

(از جناب خلیل حامدی صاحب)

(یہ مضمون کویت کے ہفت روزہ المجتمع اور لیبیا کے ماہنامہ الھدیٰ الاسلامی سے لیا گیا ہے)

لیبیا میں کرنل معمر القذافی کی قیادت میں جو حیرت انگیز اصلاحی انقلاب برپا ہو رہا ہے اُس کی خبریں وقتاً فوقتاً عالمی اخبارات میں چھن چھن کر آتی رہتی ہیں۔ مگر چونکہ بین الاقوامی خبر رساں ادارے اور اخبارات ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہیں جو اسلام سے شدید عناد رکھتی ہیں اور اسلام کے احیاء کا نام سنتے ہی برافروختہ ہو جاتی ہیں اس لیے لیبیا کے اصلاحی انقلاب کی صحیح تصویر مسلم دنیا کے سامنے نہیں آ رہی ہے۔ ہم یہ مفصل معلومات پہلی مرتبہ پاکستان کے قانون دان طبقوں اور اسلام دوست حضرات کے سامنے رکھ رہے ہیں تاکہ انہیں اپنے ملک کی تعمیرِ نو کے خطوط وضع کرنے میں اپنے بھائی اور دوست ملک سے کچھ رہنمائی حاصل ہو سکے۔

یہ مضمون تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ایک ابتدائی رپورٹ ہے جو لیبیا کی عدالتِ عالیہ کے چیف جج جناب علی علی منصور نے لیبیا کی انقلابی کونسل کو پیش کی ہے۔ اس رپورٹ میں انہوں نے قانون دان ہونے کی حیثیت سے اس امر پر بحث کی ہے کہ اگر لیبیا کے اندر اسلامی قانون نافذ کیا جائے تو اس کے لیے کیا طریقِ کار اختیار کرنا چاہیے اور متوقع مشکلات کو کس طرح حل کرنا چاہیے۔ یہ رپورٹ نہایت اہم اور عملی اور مثبت تجاویز پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصہ انقلابی کونسل کے ایک حکمنامہ پر مشتمل ہے۔ عدالتِ عالیہ کے چیف جج کی طرف سے جب مذکورۂ بالا رپورٹ انقلابی کونسل کو پیش کی گئی تو کونسل نے رپورٹ کی بیان کردہ تجاویز و تدابیر کے مطابق اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے بلاتاخیر عملی اقدام کر دیا اور فوراً ایک حکمنامہ جاری کر دیا جس کی

رُو سے اس مبارک انقلاب کا آغاز ہو گیا۔ اس حکمنامے کے اہم اجزاء ہم نے نقل کر دیئے ہیں۔ قارئین اس حکمنامے کے مطالعہ سے اندازہ لگا لیں گے کہ لیبیا کے اندر اس وقت کس طرح اربابِ قضاء و قانون، علمائے فقہ و شریعت اور اصحابِ علم و فکر حرکت میں آچکے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ملتِ اسلامی کی کیسی خوش قسمتی ہو گی کہ اہلِ علم قدیم و جدید کی بحثوں کو چھوڑ کر عصرِ حاضر میں اسلامی نظامِ حیات کے قیام پر متفق اور ہم آواز ہو جائیں۔

تیسرا حصہ انقلابی کونسل ہی کی ایک توضیحی یادداشت ہے۔ یہ یادداشت انقلابی کونسل نے اسلامی قانون کے حکمنامے کے ساتھ آویزاں کر دی ہے۔ انقلابی کونسل کے ارکان اور انقلابی کونسل کے سربراہ کرنل قذافی شریعتِ اسلامی کے بارے میں جس ایمان و یقین سے لبریز و سرشار ہیں اُس کی جھلک یادداشت کے اندر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ یادداشت معذرت خواہانہ انداز سے کوسوں دُور ہے۔ اس کا مطالعہ ایمان کے اندر جوش و ولولہ اور شریعتِ اسلامی کے بارے میں مسلمان کے اندر غیر معمولی محبت و وارفتگی کے جذبات ابھارتا ہے۔ ذیل میں مضمون کی تینوں کڑیاں ترتیب وار درج کی جاتی ہیں۔

(۱)
عدالتِ عالیہ کے چیف جسٹس کی ابتدائی رپورٹ

اسلامی فقہ کی حقیقت اسلام ایک جامع اصطلاح ہے۔ یہ عقیدہ و شریعت اور دینی معاملات اور دنیاوی امور پر حاوی ہے۔ قرآن اُس آخری شریعت کا ماخذِ اوّل ہے جس میں وہ تمام اصولی احکام نازل کر دیئے گئے ہیں جو عبادات اور معاملات سے متعلق ہیں۔ قرآنِ کریم کے اصولی ضابطے ایک طرف یہ واضح کرتے ہیں کہ خالق کے ساتھ انسان کا تعلق کس طرح کا ہونا چاہیے، دوسری طرف یہ بتاتے ہیں کہ جس معاشرے کے اندر انسان جیتا ہے اس کے ساتھ اُسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اور تیسری طرف یہ رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو دوسری ریاستوں کے ساتھ جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں کس طرح معاملات اُستوار کرنے چاہییں۔ قرآنِ کریم نے ان اصولی ضابطوں کے سوا دیگر تمام امور اجتہاد کے لیے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ زمانے اور مقام کی ضروریات کے مطابق انہیں طے کیا جاتا رہے۔

اجتہادی کوششیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں شروع ہو گئی تھیں اور صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین کے دَور میں ان کے اندر غیر معمولی ترقی ہوئی۔ چنانچہ ان اجتہادات کی بدولت اسلامی تاریخ کے اندر ایسا عظیم قانونی سرمایہ وجود میں آ گیا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس سرمائے کا جائزہ

لیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ اُن تمام مسائل کا آسان ترین اور اعلیٰ ترین حل پیش کرتا ہے جو افراد کو یا ریاستوں کو مختلف رنگ میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اِس فقہی نظام کو جو کئی مسلکوں پر مشتمل ہے اسلامی شریعت کہا گیا ہے۔ فقہی مسلک کثیر تعداد میں ہیں۔ بیس سے بھی زیادہ ہیں۔ ان میں اہلِ سُنت کے چاروں مسلک یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بھی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں شیعہ کے دونوں مذہب اثنا عشری اور زیدی اور مذہب اِباضیہ (خوارج) اور مذہب ظاہری بھی ان میں شامل ہیں یہی وہ آٹھوں مذہب ہیں کہ جب پچھلے عرصہ میں مصر کے اندر اسلامی فقہ کی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین شروع ہوئی تو صرف اِن آٹھوں مذاہب ہی کو اس کا دارو مدار قرار دیا گیا۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید | بے شک مختلف معاشروں اور مختلف ماحول میں نئے نئے حالات اور مسائل سر اٹھاتے رہتے ہیں اور مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں ہر مسئلہ کے لیے مناسب فیصلہ تلاش کرنا ماہرینِ فقہ کے لیے بعید مشکل ہے۔ کیونکہ عہدِ حاضر میں ماہرینِ فقہ بالعموم کسی ایک ہی مذہب کے اندر تخصّص حاصل کرتے ہیں۔ اِسی طرح اجتہاد کی شرائط اور دونوں اساسی ماخذوں (قرآن اور سُنّت) سے احکام کا استنباط اِس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام علومِ دین پر گہری اور جامع بصیرت حاصل کی جائے۔ فقہ کے مذاہب اور علوم کو پڑھا جائے، اصولِ قانون کا علم حاصل کیا جائے، علمِ حدیث، علوم لغت اور منطق اور کلام کے علوم پر کامل نظر ہو۔ دَورِ حاضر میں دین اور شریعت کے علماء کے اندر ان تمام شرائط کا بدرجۂ وافر پایا جانا سخت دشوار رہے۔ شریعت اسلامی کا اصل الاصول یہ ہے کہ شریعت کے بنیادی ضابطوں کی پوری پابندی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی مصلحتوں کا لحاظ بھی کیا جائے اور انہیں تنگی میں مبتلا نہ کیا جائے۔ چنانچہ اِن تمام پہلوؤں کے مدِنظر ہمارا اور ہمارے موجودہ قانون ساز ادارے کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اُن احکامِ اسلامی کا ایک مجموعہ (کوڈ) مدوّن کیا جائے جو موجودہ زمانے میں انسانوں کی مصلحتوں کو پورا کرتے ہوں۔ یہ مجموعہ مرتّب اور مُبوّب دفعات کی شکل میں ہو۔ اور اسی انداز میں قوانین کو مختلف گروپوں میں ڈھالا جائے جس طرح عصری قوانین مختلف مجموعوں میں ملتے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے اِن قوانین کا جاننا اور ان کی پابندی کرنا آسان ہو جائے۔ اور ججوں کو بھی یہ سہولت حاصل ہو جائے کہ وہ پیش آمدہ قضیوں کے لیے آسان راستے سے صحیح حکم تک پہنچ سکیں۔

اس وقت ہمارے سامنے اس موضوع پر ایک بڑی کامیاب کوشش ہے۔ یہ کوشش انیسویں صدی کے آخر میں مرحوم محمد قدری پاشا نے دین و شریعت کی خدمت کے باب میں انجام دی ہے۔ مرحوم نے مذہب حنفی کی رُو سے شخصی قانون (پرسنل لا) کو دفعہ وار اور باب وار مدوّن کر دیا اور اُسے "مرشد الحیران فی معرفۃ احوال الانسان" کے نام سے شائع کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے وقف کے احکام کو بھی جن میں وقف علی الافراد اور رفاہی وقف دونوں شامل ہیں مرتب و مدوّن کر دیا۔ ان کی کتاب "قانون العدل والانصاف فی حل مشکلات الاوقاف" اسی کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے۔

اسلامی قانون کے نفاذ کے مختلف طریقے گذشتہ بحث کی روشنی میں ذہن کے اندر چند تدابیر اور تجاویز پیدا ہوتی ہیں۔ انہیں ہم ذیل میں بیان کریں گے، اور پھر الگ الگ ان پر تبصرہ کریں گے اور ان کا جائزہ لیں گے۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اُن میں سے صحیح ترین اور سہل ترین تدبیر کو اختیار کر لیں۔ وہ تدابیر و تجاویز مختصراً یہ ہیں:

۱۔ یا تو شریعتِ اسلامی کے تمام احکام کو قانونی دفعات میں مرتب کر دیا جائے اور یوں ان کے نفاذ کی راہ ہموار کر دی جائے۔ ساتھ ہی ایک فوری حکمنامے کے ذریعے مروّج قوانین کو منسوخ قرار دے دیا جائے۔ یا

۲۔ لیبیا کی انقلابی کونسل کی جانب سے ایک حکم نامہ صادر کیا جائے جس میں اسلامی شریعت کو جمہوریہ لیبیا کے اندر قانون سازی کا واحد ماخذ قرار دے دیا جائے۔ اور ججوں پر لازم کر دیا جائے کہ وہ مروجہ قوانین میں سے جو قانون شریعت کے احکام اور اس کے اصولی ضابطوں کے خلاف پائیں اُسے نافذ نہ کریں۔

۳۔ یا پھر شریعتِ اسلامی کے احکام کو بتدریج نافذ کیا جائے اور اس کی عملی صورت یہ ہو کہ موجودہ قوانین کو باقی تو رکھا جائے لیکن ساتھ ہی ان کے الفاظ در دبست کا جائزہ لینا شروع کر دیا جائے۔ ان میں سے جو چیز اسلامی شریعت کے اساسی قواعد کے خلاف ہو اُسے چھانٹ دیا جائے اور ایسے ترمیمی قوانین صادر کیے جائیں جو انہیں اسلامی شریعت کے مطابق کر دیں۔

۴۔ اگر مذکورہ تیسری تدبیر کو اختیار کر لیا جائے تو پھر فوری تجویز یہ ہے کہ انقلابی کونسل ایک حکمنامہ صادر کر دے جس میں اعلان کر دیا جائے کہ شریعتِ اسلامی آج سے تمام ملکی قوانین کا واحد یا بنیادی

ماخذ ہو گی۔

اب ہم اوپر کی تمام تدابیر پر الگ الگ بحث کرتے ہیں:

پہلی تدبیر یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کے نفاذ کی تمہید کے طور پر انہیں مدوّن کر لیا جائے اور ساتھ ہی ایک حکمنامہ جاری کر کے موجودہ قوانین کو منسوخ کر دیا جائے۔ یہ تدبیر پہلی نظر میں تو بڑی خوشنما اور مثالی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے طریقۂ نفاذ پر بھی غور کر لیا جائے۔ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اس تدبیر کا نفاذ یوں ہو کہ انقلابی کونسل قرارداد صادر کر کے یہ فیصلہ کر دے کہ موجودہ قوانین منسوخ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ اسلامی شریعت کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں۔ لیکن بیک جنبشِ قلم رائج قوانین اور موجودہ قانونی نظام کو کوئی متبادل فراہم کیے بغیر منسوخ کر دینا ناممکن ہے۔ متبادل سے مراد ایسا مکمل اور منضبط قانونی نظام ہے جو شریعتِ اسلامی سے ماخوذ ہو، اور وکلاء اور ججز اُس کی طرف فوری طور پر رجوع کر سکیں۔ کیونکہ معاشرے کو قانونی لحاظ سے کسی صحراء یا خلا میں یکایک چھوڑ دینا ناقابل فہم بات ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ پہلے بلا تاخیر احکامِ شریعت کی تدوین کا آغاز کر دیا جائے۔

یہ کام سرانجام دینے کے لیے ناگزیر ہے کہ متعدد کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ اور ہر کمیٹی ایسے ارکان پر مشتمل ہو جن میں علمائے شریعت بھی شامل ہوں اور عصری قوانین کے ایسے ماہرین بھی جو دونوں علوم یعنی موجودہ قوانین میں بھی درک رکھتے ہوں اور علومِ شریعت میں بھی انہیں دسترس حاصل ہو۔ ہر کمیٹی مخصوص نوعیت کے قوانین کی تدوین کرے۔ چنانچہ ایک کمیٹی شریعت کے اُن احکام کی جمع و تدوین کرے جن کو عصری اصطلاح میں "انٹرنیشنل پبلک لا اور پرائیویٹ لا" کہا جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامی میں ایسے احکام کو مغازی یا سیر کہتے ہیں۔ دوسری کمیٹی ان احکام کو مدوّن کرے جنہیں آجکل "پبلک لا" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دو قسموں پر مشتمل ہے: دستوری قانون اور تنظیمی قانون۔ تیسری کمیٹی کے ذمے یہ کام لگایا جائے کہ وہ ان احکام کا مجموعہ تیار کرے جنہیں موجودہ اصطلاح میں دیوانی اور تجارتی قانون اور فقہی اصطلاح میں معاملات کہا جاتا ہے، اور چوتھی کمیٹی اس امر کے لیے ہو کہ وہ ان احکام کو چھانٹے اور مدوّن کرے جنہیں آج کل فوجداری قانون کہا جاتا اور شریعتِ اسلامی انہیں حدود اور تعزیرات سے موسوم کرتی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ یہ کمیٹیاں کسی ایک فقہی مذہب میں مقید نہ ہوں۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ امام مالک کے مذہب کا التزام ضروری ہے کیونکہ جمہوریہ لیبیا اور شمالی افریقہ کے دوسرے ممالک میں یہی مذہب رائج ہے تو پھر یہ نہایت ضروری ہے کہ اس بنیادی پابندی کے ساتھ دوسرے فقہی مذاہب میں سے کم از کم وہ پہلو اختیار کر لیے جائیں جو انسانی مشکلات کے لیے سہل ترین حل پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی شریعت کا سب سے اہم مطالبہ یہ ہے کہ انسانوں کی مصلحتوں کا لحاظ کیا جائے اور رفع حرج کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے دین کے بارے میں تمہیں تنگی میں نہیں ڈالا)۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یسّروا ولا تعسّروا (تم انسانوں کے لیے سہولتیں پیدا کرو، انہیں تنگی میں مبتلا نہ کرو)۔ یہ بات بھی نہایت معروف و مشہور ہے کہ ائمہ مذاہب کا فروعی مسائل کے اندر اختلاف بندگانِ خدا کے لیے ایک رحمت ہے تمام ائمہ نے قرآن اور سُنت کے عمومی احکام ہی سے مختلف مسائل اخذ کیے ہیں۔ بلا شبہ یہ وہ پہلو ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جا سکتا ہے لیکن یہ پہلو بھاری بھر کم کوشش اور طویل مدت کا محتاج ہے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ اس کام کے لیے جسے منتخب کیا جائے وہ اپنے ایمان و ضمیر کے مطابق اس کی افادیت کا قائل ہو، اپنی اس کوشش کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھتا ہو، اور اسے اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک حصہ تسلیم کرتا ہو۔ اس کام کے لیے میں نے محنت اور وقت کی جو شرط بیان کی ہے اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ مصر میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ وہ اسلامی شریعت کے احکام کو سامنے رکھ کر ایک متفقہ شخصی قانون مرتب کرے۔ چنانچہ اس کمیٹی نے شادی، طلاق، نسب، وراثت، وقف، وصیت اور ولایت علی المال اور ولایت علی النفس وغیرہ کے احکام کی جمع و تدوین کی۔ اور پورے چھ سال تک وہ غور فکر کرتی رہی۔ وہ پندرہ ارکان پر مشتمل تھی جن میں مختلف فقہی مذاہب کی نمائندگی کرنے والے ازہری علماء بھی تھے اور جدید ماہرین قانون بھی جنہیں شریعتِ اسلامی سے بھی آگاہی تھی اور موجودہ قوانین میں بھی نگاہِ خاص حاصل تھی۔ چنانچہ ایک ہی شعبۂ قانون کی تدوین کرنے کے لیے اس بھاری بھر کم ٹیم کو بھی چھ سال صرف کرنے پڑے

اب دوسری تدبیر کو لیجیے یعنی انقلابی کونسل یہ حکم جاری کر دے کہ جمہوریہ لیبیا میں اسلامی شریعت قانون سازی کا واحد یا بنیادی ماخذ ہو گی اور جج آئندہ اس امر کا لحاظ رکھیں گے کہ رائج قوانین کے اندر جو

چیز بھی اسلام کے اصولی احکام کے منافی ہو گی اُس سے استناد نہیں کریں گے ۔ پہلی تدبیر کی بہ نسبت دوسری تدبیر کی خوبی یہ ہے کہ اس کا اجراء فوری طور پر کیا جا سکتا ہے ۔ اور اُس طویل مدت سے بچا جا سکتا ہے جو پہلی تدبیر کے لیے درکار ہے کیونکہ پہلی تدبیر میں تو شریعت سے اخذ کردہ قوانین کا پہلے ایک مجموعہ تیار کرنا ہو گا اور پھر اُسے موجودہ قوانین کی جگہ جاری کرنا ہو گا ۔ لیکن دوسری تدبیر پر مختلف اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لیے بھی متعدد مشکلات آڑے آتی ہیں مثلاً

۱ - اس طرح ہم ججوں کے کاندھوں پر وہ بوجھ ڈال دیں گے جو ان کی برداشت سے باہر ہے ۔ کیونکہ جج کو یہ جاننے کے لیے کہ رائج الوقت قانون کا کونسا حصہ احکام شریعت سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے ، متعلقہ حصے کو ذہن میں رکھ کر مختلف اسلامی مذاہب کے اندر وہ تمام مقامات کھنگالنے ہوں گے جہاں اس حصے سے ملتا جلتا حکم پایا جاتا ہو اور پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ جدید قانون کا زیرِ غور جز اسلامی حکم سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے اور کس حد تک مخالفت ۔ موجودہ ججوں کے اندر ایسے افراد بہت قلیل ہیں جو اسلامی شریعت کا علم رکھتے ہوں ۔ اور وہ قلیل تعداد بھی وہ ہے جس نے تعلیم لا کالجوں میں حاصل کی ہے اور جس نے اسلامی شریعت کا بھی زیادہ تر وہی حصہ پڑھا ہے جو شخصی قوانین سے بحث کرتا ہے ۔ اس طرح موجودہ شرعی عدالتوں کے اکثر و بیشتر شرعی قاضیوں نے مالکی مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کی تعلیم حاصل نہیں کی ہے ۔ اس لیے ان کے لیے بھی یہ مہم سخت کٹھن ہو گی ۔

۲ - ایسی ہی مشکل اور تنگی میں عوام الناس اور وکلاء بھی مبتلا ہو جائیں گے ۔ اور صورتِ واقعہ یہ بنے گی کہ جس شخص کو بھی کوئی قضیہ درپیش ہوا وہ اُسے عدالت تک لے جانے سے پہلے یہ دیکھنا چاہے گا کہ اس میں اُس کی کامیابی کا کیا کچھ احتمال ہے ۔ لہٰذا خود اُسے اور اس کے وکیل کو بھی یہ کھوج کرید کرنی ہو گی کہ مختلف فقہی اور شرعی آراء اُس قضیے کے بارے میں کیا ہیں ۔ اور اگر کوئی مناسب راستے مل بھی گئی تو اس امر کا بھی امکان ہے کہ قاضی اُسے قبول کرنے سے انکار کر دے اور یہ قرار دے کہ ایک دوسرے فقہی مذہب کی رائے مدعی کی رائے سے زیادہ عادلانہ ہے ۔

۳ - علاوہ ازیں اس امر کا امکان ہے کہ ایک ہی قضیہ کے اندر فقہ کے راجح اور مرجوح اقوال کے اندر ججوں کی آراء میں اختلاف پیدا ہو جائے اور اس کے نتیجے میں ایک ہی معاملے کے اندر عدالتوں کے فیصلے باہم متصادم اور متناقض ہو جائیں ۔

۴۔ یہ مشکلات کلیتہً ختم نہیں ہو سکتیں خواہ انقلابی کونسل کا حکمنامہ دوسرے تمام مذاہب کو ترک کر کے صرف امام مالک کے مذہب کی پابندی کا مکلف کرتا ہو۔ قطع نظر اس کے کہ ایک ہی مذہب کی پابندی بجائے خود تنگی اور حرج سے خالی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ زیرِ بحث تدبیر میں پیش آسکنے والی مشکلات اور صعوبتیں یہ تقاضا کرتی ہیں کہ وہ تمام ضوابط جن کی لوگ پابندی کریں اور جنہیں جج نافذ کریں، مدوّن اور مرتب ہونے چاہییں۔ مگر وہ ہمارے پاس مدوّن و مرتب ضوابط موجود نہیں ہیں۔

تیسری تدبیر میں تدریج کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ شاید اس تیسری تدبیر سے بیشتر اُن صعوبتوں کا جو سابقہ دو تدبیروں میں بیان کی گئی ہیں ازالہ ہو سکتا ہے۔ اس تدبیر کے قابلِ ذکر پہلو یہ ہیں:

۱۔ تدریج اختیار کرنا اور چھلانگ لگا دینے کے طریقِ کار سے اجتناب کرنا۔ تدریج وہ سنّتِ الٰہی ہے جو خود کائنات کی تخلیق میں کارفرما ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو چھ روز میں پیدا کیا ہے۔ یہ چھ روز ہم اپنے دنیوی ایام پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے چھ روز سے مراد چھ ادوار لیے ہیں۔ شرعی احکام کے نزول میں بھی اللہ تعالیٰ کی سنّت نے تدریج کو ملحوظ رکھا ہے۔ قرآن یکبارگی جبریل علیہ السلام کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت قرآنی احکام و آیات انسانوں کی ضرورت کے مطابق اور پیش آمدہ مشکلات کے ازالہ کی خاطر ٹکڑوں کی شکل میں نازل ہوئیں۔ بلکہ لوگوں سے حرج کو دُور کرنے اور ان کے دلوں میں اسلام کی محبت اور رغبت پیدا کرنے کے لیے ایک ہی مسئلہ کے اندر ایک ہی حکم تدریج کے ساتھ نازل ہُوا۔

اس کی سب سے بہتر مثال حُرمتِ شراب ہے۔ شراب اُمّ الخبائث ہے۔ جاہلیت کے اندر اس کا رواج عام تھا۔ اسلام نے اسے یکبارگی حرام نہیں ٹھیرایا کیونکہ یہ انسانوں کی گھُٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ عہدِ رسالت کے آغاز میں مسلمان اسے پیتے رہے اور اسے نظر انداز کیا جاتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل کھجوروں اور انگوروں کا ذکر کیا اور فرمایا وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم نشہ بھی حاصل کرتے ہو اور رزقِ حسن بھی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضمناً اشارہ فرما دیا کہ نشہ آور چیز پسندیدہ رزق نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ آیت نازل ہوئی جس میں نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا ارشاد ہُوا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ

سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو تا کہ تم جو کچھ نماز میں کہہ رہے ہو اُسے جانتے رہو)۔ اِس آیت کے بعد بعض اَجلّہ صحابہ یہ سوچنے لگے کہ نماز سے پہلے شراب سرے سے پی ہی نہ جائے تو بہتر ہے۔ چونکہ نمازیں پانچ ہیں، اور اوقاتِ نماز کے وقفے بڑے نہیں ہوتے۔ اس لیے صحابہ دن کے وقت شراب پینے سے بالکل رُک گئے۔ اور پینے والے صرف رات کو پیتے۔ اس کے بعد صحابہؓ کے اندر یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا کہ کیا شراب حلال ہے یا حرام؟ اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں کے اندر بہت بڑا گناہ ہے لوگوں کے لیے فوائد بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے)۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ کی اکثریت قرآنی ادب کی پیروی میں شراب پینے سے کلیتہً باز آگئی۔ اور لوگوں کے دل اس بات کے لیے پوری طرح آمادہ ہوگئے کہ شراب کو مکمل طور پر معاشرے کے اندر ختم کر دیا جائے۔ یہ ذہنی اور قلبی آمادگی پیدا کرنے کے بعد اللہ کا حکم نازل ہو گیا کہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (شراب، جوا، استھان اور تیر ناپاک چیزیں اور شیطان کا فعل ہیں تم ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ شیطان تمہارے اندر شراب اور جوئے کے ذریعہ عداوت اور بغض ڈال دینا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دینا چاہتا ہے۔ پس کیا تم ان بُرے کاموں سے رک جاؤ گے)۔

میں یہاں یہ اشارہ بھی کر دوں کہ تدریج کے لیے جتنا کچھ وقت درکار ہے اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ لیبیا کے مروجہ قوانین جن قانونی ضابطوں پر مشتمل ہیں وہ فوجداری قانون کے سوا مصر کے قوانین سے ماخوذ ہیں۔ اور ان میں سے اکثر شریعتِ اسلامی کے ضابطوں سے متعارض نہیں ہیں۔ پیچھے میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ جب مصر میں سول عدالتیں قائم کی گئیں تھیں تو ان کے لیے جو قانونی مجموعہ وضع کیا تھا وہ فرانس کے نپولین کوڈ سے اخذ کیا گیا تھا نپولین کوڈ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب سے متاثر ہے۔ بہر حال جب سول عدالتوں کے لیے قانونی سفارشات خدیوِ مصر کو پیش کی گئیں تو اس نے ان سفارشات کو ملکی قانون کی حیثیت دینے سے پہلے انہیں از سر

کے سپرد کر دیا۔ ازہر کے علماء نے ایک کمیٹی قائم کی جس میں مذاہب اربعہ کے علماء شامل تھے۔ اس کمیٹی نے اِن سفارشات پر نظرِ ثانی کی۔ اور ایک رپورٹ تیار کی جس میں واضح کر دیا کہ ان سفارشات کے اندر کچھ دفعات ایسی ہیں جو مذاہبِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کے موافق ہیں، اور کچھ دفعات ایسی ہیں جن کی بنیاد مذاہبِ اربعہ میں سے کسی میں موجود نہیں ہے لیکن وہ مصالحِ مُرسلہ کے تحت آجاتی ہیں۔ مصالحِ مُرسلہ کو شریعت نے مُباح قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کو تنگی سے بچایا جاسکے اور ماضی میں جو مشکلات پیدا نہ ہوتی ہوں اور اب پیدا ہو چکی ہوں اُن کے ازالہ کی صورت نکالی جائے۔

مثلاً ہمارے موجودہ فوجداری قانون میں اسلامی شریعت کے خلاف جو اجزاء پائے جاتے ہیں اگر ہم انہیں یکجا کر کے مرتب کر لیں تو پھر ہمارے لیے آسان ہوگا کہ ہم الأقدم فالأقدم کے اصول کے تحت ان میں تبدیلیوں کو یکے بعد دیگرے بروئے کار لانا شروع کر دیں گے مثلاً ہم پہلے شراب نوشی کی سزا کے اندر اسلامی شریعت کے مطابق ترمیم کر دیں۔ اگلے مرحلے میں ہم شریعت کے احکامِ قصاص کو لے لیں اور لیبیا کے فوجداری قانون کے اندر مطلوبہ ترمیم کر دیں۔ شریعت کے قانونِ قصاص اور لیبیا کے مروجہ فوجداری قانون میں بہت معمولی اختلاف ہے جسے ہم بآسانی دُور کر سکتے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں قذف کے قانون کو اسلام کے قانون سے ہم آہنگ کر دیں۔ اور چوتھے مرحلے میں چوری کی سزا کو لیں جو کہ قطعِ ید ہے۔ اور یہ دیکھیں کہ چوری کی بڑی بڑی واردات میں کہاں کہاں اس سزا کو نافذ کیا جاتے۔ شریعت نے چوری کی سزا کے لیے ایک نصاب معیّن کر دیا ہے جس سے کم کی چوری پر قطعِ ید کی سزا نہیں دی جاتی۔ علاوہ ازیں شریعت نے اس باب میں اور بھی متعدد شرائط قائم کی ہیں جن کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ یہ خیال بھی رہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قحط کے سال میں چوری کی حد معطّل کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اس اقدام سے فقہائے اسلام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ چور کا ہاتھ اُس وقت کاٹا جائے گا جبکہ ریاست تمام باشندوں کی بقدرِ کفایت کفالت کی ذمہ داری ادا کر رہی ہو۔ بقدرِ کفایت سے مراد ہر فرد کے لیے بنیادی ضروریات غذا، لباس اور مکان کی فراہمی ہے۔ زنا کی حدّ اُس وقت ثابت اور قائم ہو سکتی ہے جب کہ زانی خود اقرار کرے، یا وہ عینی شہادتیں فراہم ہوں جن کا مطالبہ شریعت کرتی ہے زنا کے باقی احکام کو اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ ایک مرد کا غیر عورت کے ساتھ ہر قسم کا تعلق قابلِ سزا ہو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، اور خواہ انہوں نے باہم رضامندی سے زنا کا ارتکاب کیا ہو۔

کیونکہ اسلامی شریعت ہر شکل میں زنا کو جرم قرار دیتی ہے۔

شرعی حدود کے علاوہ دوسرے جتنے جرائم ہیں انہیں شریعت تعزیرات کے ضمن میں شمار کرتی ہے اور ان کا معاملہ ولی الامر یعنی ریاست کی حکمران طاقت یا قاضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیبیا کے موجودہ قوانین کی اکثر نصوص اس بارے میں شریعت سے متعارض نہیں ہیں لیکن بایں ہمہ انہیں شریعت سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کرنے کے لیے مزید تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ یہ تیسری تدبیر یعنی تدریج اختیار کرنے سے ہم تعصب کے الزام سے بھی بچ جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں اس بارے میں کسی الزام یا پھبتی کا کوئی خوف نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اپنے دین کے احکام کی پیروی کر رہے ہیں اور اپنی اس شریعت پر عملدرآمد کر رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کے لیے سب سے بہتر مشعلِ ہدایت ہے۔

۳۔ تدریج کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس سے وہ مقصد بھی حاصل ہوگا جس کا حصول مطلوب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ محفوظ و مامون طریقے سے اللہ کے نازل کردہ قانون کو مدارِ فیصلہ بنایا جائے۔ اس غرض کے لیے معمول بہ قوانین کے اندر ضروری ترمیمیں صادر کی جائیں۔ اور انہیں صادر کرنے سے پہلے خوب بحث و تمحیص سے کام لیا جائے، اور احکامِ شریعت میں سے ان پہلوؤں کا انتخاب کیا جائے جو زیادہ سے زیادہ مناسب ہوں اور لیبیا کے باشندوں اور لیبیا کے معاشرے اور ماحول کے لیے زیادہ سے زیادہ موزوں ہوں۔ اور پھر ان ترمیموں اور تبدیلیوں کو زیادہ سے زیادہ پُرامن، سکون آمیز اور اثر آفرین طریقے سے روبعمل لایا جائے۔

۴۔ ایک اور اہم خوبی تدریجاً تبدیلی میں یہ پائی جاتی ہے کہ اس سے موجودہ عدالتی نظام اپنے دونوں حصوں شرعی اور ملکی سمیت قائم رہے گا۔ اس لیے کہ موجودہ وقت میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو فی الفور منسوخ کر دینا طرح طرح کے اعتراضات اور مشکلات کو جنم دے گا۔ اور یوں بات اصل فائدے سے تجاوز کر جائے گی۔ اصل چیز یہ ہے کہ رائج الوقت قانون میں مکمل شرعی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں۔ ان تبدیلیوں کو خواہ سول جج نافذ کرے یا قاضیٔ شرع دونوں پہلو برابر ہیں۔

۵۔ اس تدبیر کی رُو سے جب تدریج اپنے مقصودِ اصلی تک پہنچ جائے گی اور موجودہ غیر الٰہی قوانین کو تمام و کمال الٰہی قوانین سے بدل دیا جائے گا تو اس وقت ہم بڑی سہولت کے ساتھ دونوں

الگ الگ عدالتی نظاموں یعنی شرعی نظام اور ملکی نظام کو باہم مدغم کر کے انہیں یکجا کر دیں گے۔ اور ملک کے اندر ایک ہی عدالتی نظام قائم ہو جائے گا۔ اور یہ کہنے کا موقع نہ ملے گا کہ لیبیا میں قضاء شرعی کو منسوخ کر دیا گیا ہے یا ملکی قانون کو ختم کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس نوعیت کی سخن تراشی کا موقع ہم کسی کو نہ دیں۔
اس تجویز کو نافذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کی جائے جو لیبیا کے اندر مروجہ قوانین کا جائزہ لے۔ اس کمیٹی کے اندر مختلف سب کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو اعلیٰ کمیٹی کی نگرانی اور رہنمائی میں کام کریں۔ ہر سب کمیٹی کو مروجہ قوانین میں سے مخصوص نوعیت کے قوانین کے لیے مختص کر دیا جائے، وہ کمیٹی ان قوانین کا مکمل جائزہ لے اور یہ نمایاں کرے کہ ان میں کون کون سا قانون شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔ پھر ان مخالفِ شریعت قوانین کو ان کی حیثیت و اہمیت کے لحاظ سے تقسیم کرے اور اہم فالاہم کے اصول کے تحت ترمیم کے لیے ان کی درجہ بندی کرے، اور پھر خود ہی ان کے لیے ترمیمات تجویز کرے۔ اگر اس کام کو کم از کم وقت میں سرانجام دینا مقصود ہے تو چند اور سب کمیٹیاں وجود میں آ جانی چاہییں، اور اعلیٰ سطح کی کمیٹی ان کے لیے طریقِ کار وضع کر دے اور متواتر ان کے کام کی نگرانی اور پیروی کرتی رہے۔ اور خود اعلیٰ کمیٹی کو انقلابی کونسل کے ساتھ اس حیثیت سے کہ وہ اس وقت ملک کا قانون ساز ادارہ ہے، اور صدرِ مملکت کے ساتھ اس حیثیت سے کہ وہ وزراء کی کونسل کا صدر اور انقلابی کونسل کا سربراہ ہے دائمی رابطہ رکھنا چاہیے۔ اسی غرض کے تحت وزیر انصاف کے ساتھ بھی اعلیٰ کمیٹی کا رابطہ قائم رہنا چاہیے۔

قبل اس کے کہ اعلیٰ کمیٹی اور اس کی سب کمیٹیاں اپنے کام سے فارغ ہو جائیں اور قانونی ترمیمات پے در پے صادر ہونا شروع ہو جائیں بہتر ہو گا (اور یہ خود انقلابی کونسل اور عوام کی بھی پر زور خواہش ہے) کہ فی الفور انقلابی کونسل کی طرف سے ایک قرارداد صادر ہو جسے دستوری اعلان کا تکملہ بنایا جائے اور جس میں یہ بیان کر دیا جائے کہ آج سے جمہوریہ لیبیا کے اندر اسلامی شریعت ہی ہر نوعیت کی قانون سازی کا بنیادی ماخذ ہو گی، اور تمام وزراء اور ادارے آئندہ جو بھی نیا قانون یا حکم جاری کریں گے انہیں اس امر کا خیال رکھنا ہو گا۔ یہ بھی اس قرارداد میں بتا دیا جائے کہ اسلامی قانون کے نفاذ اور موجودہ غیر اسلامی قوانین کے اندر تبدیلیوں کو بروئے کار لانے کے لیے اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کی جائے گی جو متعدد سب کمیٹیوں پر مشتمل ہو گی۔ اس قرارداد کے صدور کے بعد اعلیٰ کمیٹی شخصی قوانین سے متعلق متفرق

شرعی احکام کو مدون کرنا شروع کر دے اور انہیں ایک متفقہ قوانین کی شکل میں ڈھال دے جو شادی بیاہ، طلاق، نسب، وراثت، وقف، ولایت علی المال، ولایت علی النفس اور وصیت وغیرہ جملہ احکام پر حاوی ہوں۔ اس طرح کا ایک خاکہ شام اور مصر میں تیار کیا جا چکا ہے۔ یہاں اُس پر فوری نظر ثانی کی جا سکتی ہے اور لیبیا کے حالات کے مطابق اُسے درست کیا جا سکتا ہے۔ اور یوں اسلامی نظام حیات کے پاکیزہ کارواں کا سفر بلا تاخیر شروع ہو سکتا ہے۔

(المجتمع کویت: ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء)

(۲)

انقلابی کونسل کا حکمنامہ

یہ حکمنامہ دس دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کے اہم اجزاء یہ ہیں:

انقلابی کونسل دستوری اعلان نمبرا مجریہ ۱۱ دسمبر ۱۹۶۹ء سے آگاہی حاصل کرتے اور تنظیم دعوتِ اسلامی کے قیام کے قانون نمبر ۵۸ ۱۹۷۱ء سے آگاہی حاصل کرنے اور اسلام کے شخصی قوانین کا جامع قانونی خاکہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کرنے سے متعلق انقلابی کونسل کے ریگولیشن مجریہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اور عرب وفاق کے دستور کی دفعہ ۶ کی توثیق کی خاطر اور انقلابی کونسل کے سربراہ کے معروضے کے موجب

——— انقلابی کونسل یہ حکمنامہ جاری کرتی ہے:

——— عرب جمہوریہ لیبیا روحانی اقدار کی توثیق کرتی ہے اور شریعتِ اسلامی کو قانون سازی کا بنیادی ماخذ قرار دیتی ہے۔

——— آئندہ جو قوانین، حکمنامے اور فیصلے جاری ہوں گے اُن میں شریعتِ اسلامی کے اساسی اصولوں کی پابندی لازمی ہو گی۔

——— ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی جو مروجہ قوانین کا جائزہ لیں اور ایسی ترمیمات تجویز کریں جو موجودہ خود ساختہ قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق کر دیں۔

——— یہ کمیٹیاں ان تمام قوانین کو چھانٹ لیں گی اور انہیں جمع کریں گی جو اسلامی شریعت کے قطعی احکام اور اساسی قواعد سے متعارض ہوتے ہیں۔ اور اس تعارض کو زائل کرنے کا کام کریں گی۔ اور اس غرض

کے لیے وہ متبادل قوانین مرتب کریں جنہیں وہ فقہ اسلامی کے مختلف مذاہب سے اخذ کریں گی۔ اس اختیار و انتخاب میں وہ مفادِ عامہ کے تقاضوں اور ملک کے اندر رائج الوقت عُرف کی رعایت کرتے ہوئے سہل اور آسان پہلوؤں کو ترجیح دیں گی۔

قوانین کی چھان پھٹک اور نظر ثانی کے لیے ذیل کے موجب ایک اعلیٰ کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے:

۱۔ جناب علی علی منصور چیف جسٹس عدالتِ عالیہ۔ صدر
۲۔ عبدالعزیز نجّار، جج عدالتِ عالیہ رکن
۳۔ محمد عبدالعزیز عزوز، جج عدالت عالیہ رکن
۴۔ شیخ صبحی محمود (سکرٹری جنرل تنظیم دعوتِ اسلامی) رکن
۵۔ شیخ العربی الاحرش۔ طرابلس کے شرعی کورٹ آف اپیل کے چیف جسٹس رکن
۶۔ رمضان رقص بنغازی کے سول کورٹ آف اپیل کے چیف جسٹس، رکن
۷۔ عبدالعزیز ہندی۔ طرابلس کے سول کورٹ آف اپیل کے جج، رکن
۸۔ عادل محمود عبدالباقی۔ انقلابی کونسل کے سکرٹریٹ کے قانونی مشیر رکن
۹۔ عبدالسلام ابوطلاق بنغازی کے شرعی کورٹ آف اپیل کے چیف جسٹس رکن

یہ اعلیٰ کمیٹی وہ اصولی اور بنیادی ضوابط وضع کرے گی جو قوانین کی نظر ثانی کے وقت پیشِ نظر رکھے جائیں گے۔ نیز ان ذیلی کمیٹیوں کا طریقِ کار اور لائحہ عمل مقرر کرے گی اور ان کے کام کی نگرانی کرے گی جنہیں وہ خود تشکیل کرے گی۔

یہ ذیلی کمیٹیاں جو تجاویز اور قانونی خاکے تیار کریں گی اعلیٰ کمیٹی اُن پر نظر ثانی کرے گی اور انہیں آخری قانونی شکل دے گی۔

ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو دیوانی قوانین، تجارتی اور بحری قوانین اور قانونِ مرافعہ کا جائزہ لے گی۔ اس کمیٹی کا ڈھانچہ یہ ہے:

۱۔ عبدالحمید الرعیض، جج عدالتِ عالیہ ۔۔ ــــــــ صدر
۲۔ احمد الطشانی طرابلس کے سول کورٹ آف اپیل کے چیف جج، رکن
۳۔ شیخ محمد ابو حلیقہ بنغازی کے شرعی کورٹ آف اپیل کے چیف جج، رکن
۴۔ خلیفہ الغزوانی اٹارنی جنرل رکن
۵۔ کامل مقہور ایڈووکیٹ رکن
۶۔ ابراہیم الغویل ایڈووکیٹ رکن
۷۔ امام خضر، طرابلس کے سول کورٹ آف اپیل کے جج رکن
۸۔ ابن فتح اللہ، منصوبہ بندی کے مشیر رکن
۹۔ ڈاکٹر محمد عبدالحلیم استاذ شعبۂ اسلامیات، لیبیا یونیورسٹی رکن

ایک اور ذیلی کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو فوجداری قوانین کا جائزہ لے گی۔ اس کمیٹی کا ڈھانچہ یہ ہے:

۱۔ محمد سعید عیسٰی، جج عدالتِ عالیہ صدر
۲۔ محمد جمالی بُوزبیہ، طرابلس کے کورٹ آف اپیل کے چیف جسٹس رکن
۳۔ احمد الطاہر الزادی، کورٹ آف اپیل طرابلس کے جج رکن
۴۔ الصدیق عبدالرحمٰن نصر، پراسیکیوٹر جنرل رکن
۵۔ حسن الہادی یونس ایڈووکیٹ رکن
۶۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر، استاذ شعبۂ اسلامیات لیبیا یونیورسٹی، رکن

اسلام کے شخصی قوانین کا ایک جامع قانونی خاکہ مدوّن کرنے کے لیے جو کمیٹی ۲۴ر مارچ ۱۹۷۱ء کو تشکیل دی جا چکی ہے وہ اپنا کام جاری رکھے گی اور اپنے کام کی رپورٹ اعلیٰ کمیٹی کو پیش کرے گی۔
ان تمام کمیٹیوں کی مدد کے لیے ایک ٹیکنیکل سکرٹریٹ قائم کر دیا گیا ہے جس میں دارالافتاء کے دو مشیر ہونگے اور دوسرا ضروری عملہ۔ نیز انقلابی کونسل نے کونسل ہی کے ایک رکن کو یہ ذمہ داری سونپ دی ہے کہ وہ مذکورہ تمام کمیٹیوں کے کاموں کی سرپرستی کرے اور عدالتِ عالیہ کے بجٹ میں سے اس پورے نظام کے مالی مصارف ادا کرنے کے احکام جاری کرے۔

یہ حکمنامہ جس روز صادر ہوا ہے اُسی روز سے نافذ العمل ہوگا اور سرکاری گزٹ میں شائع کیا جائیگا

دستخط ارکان انقلابی کونسل

کرنل معمّر القذافی پریذیڈنٹ کونسل آف منسٹرز

(الهدی الاسلامی، لیبیا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء)

(۳)

انقلابی کونسل کی توضیحی یادداشت

اسلامی شریعت اسلامی ممالک پر بالعموم اور عرب ممالک پر بالخصوص تقریباً چودہ صدیوں تک حکمرانی کرتی رہی ہے اور توقع بھی یہی تھی کہ ان ممالک پر اُن قوانین کی قطعاً حکمرانی نہ ہونے پائے گی جو انسانوں کے گھڑے ہوتے ہوں اور اُس شریعت کے خلاف ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ ظالم ہیں) اور بعد کی آیات میں کہا گیا ہے کہ وہ فاسق ہیں اور وہ کافر ہیں۔

۱۹۲۱ء میں استعمار نے اسلامی خلافت کی بساط لپیٹ ڈالی۔ برطانیہ نے عراق، اردن، فلسطین اور مصر میں ڈیرے ڈال لیے اور فرانس مغرب عربی (تونس، الجزائر اور مراکش) اور شام پر چھا گیا۔ یہاں تک کہ لیبیا کے لیے بھی فرانس کی آتشِ حرص و آز بھڑک اٹھی۔ مگر لیبیا کے عوام کی مزاحمت اور لیبی زعماء کے جہادِ پیہم کی وجہ سے فرانس پورے تیس سال تک ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود لیبیا میں اپنے پاؤں نہ جما سکا۔ بہرحال مسلم اور عرب ممالک کے اندر استعمار کے اُتر جانے کے ساتھ ہی ان ممالک میں استعمار کے خود ساختہ قوانین اور نظامہائے حیات فروغ تمدن کی آڑ میں اسلامی شریعت پر غالب آنے لگے۔ غیر ملکیوں کے لیے ترجیحی نظام نے اس فساد کی مزید پشت پناہی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شرعی عدالتوں کا نفوذ جنہیں ملک پر عمومی اقتدار حاصل تھا سُکڑ گیا اور ان کا دائرۂ کار صرف مسلمانوں کے شخصی قوانین کی حد تک رہ گیا۔

مگر اب وقت آگیا ہے کہ حق اپنی سابقہ شان و شوکت بحال کرے اور اسلامی قانون اپنے مختلف فقہی مذاہب کے ساتھ غلبہ و فروغ پائے اور لیبیا کے اندر شریعتِ اسلامی ہی تمام قوانین و احکام کا بنیادی ماخذ بنے۔ چنانچہ لیبی انقلاب نے اس کام کو سرانجام دینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ انقلابی کونسل نے اپنے

پہلے فرمان میں یہ طے کر دیا تھا کہ: انقلابی کونسل مذاہب کے تقدس پر اور مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کریم سے ماخوذ ہونے والی روحانی تعلیمات کی قدر و قیمت پر گہرا ایمان رکھتی ہے۔ اور یہ کونسل دین کی روشن اقدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوششوں کو جاری رکھے گی۔" اس کے بعد انقلابی کونسل نے دستوری بیان نشر کیا اور اس کی دوسری دفعہ میں یہ قرار دیا کہ ریاست کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کی سرکاری زبان عربی ہوگی، اور تیسری دفعہ میں یہ واضح کر دیا کہ خاندان معاشرے کی اساس ہے۔ لہٰذا خاندان کی عمارت مذہب، اخلاق اور وطنی اخلاص پر استوار ہونی چاہیے۔

انقلاب کے بنیادی اصولوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ عرب اقوام کو ایک جامع اور ہمہ گیر وحدت سے ہمکنار کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی جامع اور ہمہ گیر وحدت کے لیے دینِ اسلام ہی ایک مضبوط اور مستحکم ستون بن سکتا ہے۔ چنانچہ عرب جمہوریتوں کے وفاق نے یہ کوشش کی کہ اسلام کی اس حیثیت کو وفاق کے دستور میں وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔ وفاقی دستور کی چھٹی دفعہ اسی امر پر مشتمل ہے۔ اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں: "وفاق کی ریاست روحانی اقدار کی توثیق کرتی ہے، اور شریعتِ اسلامیہ کو قانون سازی کا بنیادی ماخذ قرار دیتی ہے۔" یہی الفاظ بعینہٖ مذکورۃ الصدر انقلابی کونسل کے حکمنامے کی دفعہ ایک میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ حکمنامے کی یہ دفعہ لیبیا کے دستوری اعلان کا تکملہ ہے اور اسے دستور میں ایسے بنیادی ضابطے کی حیثیت حاصل ہے کہ آئندہ لیبیا کے اندر جس قدر قوانین اور احکام صادر ہوں گے اُسی کی رہنمائی میں صادر ہوں گے۔ اور وہی دفعہ ان قوانین و احکام کی دستوری صحت و عدمِ صحت کا فیصلہ کرے گی۔

جب عقلِ انسانی پختگی کے مرحلے کو پہنچ گئی اور انسانیت اسلام کے پیغامِ حق کو قبول کرنے کی استعداد سے بہرہ ور ہوگئی تو مشیتِ خداوندی نے یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کی دعوت اور پیغام کو آخری آسمانی شریعت کی حیثیت بخش دے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے خاتمِ شرائع بنایا اور پھر اسے وہ جامعیت اور ہمہ گیری عطا کر دی کہ وہ دین اور دنیا دونوں کے معاملات و مسائل پر حاوی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (ہم نے کتاب کے اندر کسی چیز کے بارے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی)، نیز فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا)۔ چونکہ شریعتِ اسلامی آخری بھی ہے اور ہمہ گیر اور کامل بھی، لہٰذا

وہ ان تمام مشکلات و آلام کے ازالہ کے لیے جو انسان کو قیامت تک پیش آسکتے ہیں، اپنے اندر بہتر سے بہتر اور سہل سے سہل حل رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحیِ الٰہی دو قسم کے فقہی اور قانونی احکام لے کر نازل ہوئی ہے۔ اور وہ دونوں قسمیں یہ ہیں:

۱۔ قطعی احکام جو ایسے مسائل کے بارے میں نازل ہوئے جو زمانے اور مقام اور ماحول کی تبدیلی سے متأثر نہیں ہوتے۔ یہ احکام ایسی محکم اور معین شکل میں نازل ہوئے کہ انسانی عقل کے لیے ان کے اندر کسی نوع کا اجتہاد کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ عقائد اور عبادات پر مشتمل احکام اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ وہ احکام جو دنیا کے معاملات اور انسانوں کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی حالت یہ ہے کہ وہ زمانے اور مقام کے حالات کی تبدیلی سے متأثر ہو جاتے ہیں، اور عُرف اور ماحول کے اختلاف اور ان کے مخصوص مصالح کے دباؤ سے بدل جاتے ہیں۔ اس نوع کے معاملات کے بارے میں شریعت نے صرف اصولی قواعد و ضوابط وضع کرنے پر اکتفا کیا ہے اور فروعی احکام انسانی اجتہاد پر چھوڑ دیئے ہیں۔ شریعت کا یہ موقف انسان کے غیر معمولی احترام پر مبنی ہے اور اسے حالات و مصالح کے ساتھ ہم آہنگ رکھنے کی ایک تدبیر ہے۔

خلفائے راشدین کے مجموعی اجتہادات اور ان کے بعد فقہائے اسلام کی اجتہادی کاوشوں سے اسلامی فقہ کی تشکیل ہوئی۔ اسلامی فقہ ہمارا ایسا بہترین قانونی اور تشریعی سرمایہ ہے جس کی نظیر نہ قدیم دنیا میں ملتی ہے اور نہ جدید دنیا میں۔ خود دنیا کے انسانی قوانین کے واضعین نے فقہ اسلامی کی اس امتیازی خوبی کی شہادت دی ہے۔ بیسویں صدی کے قانونی نظریات میں سب سے جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنے حق کو اس شکل میں استعمال نہ کرے جس سے دوسرے کا نقصان ہو۔ ایسی صورت میں وہ دوسرے کے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اس نظریہ کو فرانسیسی قانون دان "ABUSIDE DROIT" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض اور قانونی نظریات کو عہدِ حاضر کا تحفہ قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ نظریہ کہ ہنگامی حالات معاہدات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں تبدیلی کر سکتے ہیں یا انہیں ختم کر سکتے ہیں۔ یا یہ نظریہ کہ کسی شخص پر کوئی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے گی جو اس کا اہل ہوگا اور اہل ہونے کی صورت میں اگر وہ ذمہ داری میں کوتاہی کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا ورنہ نہیں۔ مغربی قانون دانوں نے جب ان نظریات کو بیان کیا تو یہ سمجھا کہ وہ خود ان نظریات کے موجد اور واضع ہیں۔ مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ نظریات فقہ اسلامی کے اندر پائے جاتے ہیں اور فقہائے اسلام

ہونے دیا۔ اب ہمارے لیے یہ بالکل غلط اور معیوب بات ہوگی کہ ہم اس قانونی سرمائے سے مالامال ہوتے ہوتے بھی دوسروں کے سامنے دستِ گدائی دراز کریں۔ اور معزز اور باوقار سردار ہو کر بھی لئیموں کے دسترخوان کے طفیلی بنیں۔ خدا استعمار اور اُس کے ساختہ و پرداختہ عناصر کو غارت کرے کہ یہ طفیلی بننے کی ذہنیت انہی کی پیدا کردہ ہے۔

اسلامی شریعت کے بارے میں ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے یہ کوئی باعثِ تعجب بات نہیں ہے۔ یہ آسمانی شریعت ہے۔ یہ اُس خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو انسانوں کا خالق ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ انسان کے لیے دینی اور دنیاوی لحاظ سے کونسی چیز موزوں اور مناسب ہے هُوَ الَّذِیٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (یہ وہی خدا ہے جس نے ہر چیز کو تخلیق کا جامہ پہنایا اور پھر اُس کی رہنمائی فرمائی)، اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے) یہ بات کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ خالق نے جو قانون تجویز فرمایا ہے وہ نہایت کامل و مکمل ہے، اور مخلوق جن قوانین کو خود گھڑتی ہے وہ ناقص اور ادھورے ہیں۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔ (اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے ارحقیقت کو واضح کردے اور تم سے پہلے گزری ہوئی امتوں کے طریقے کی طرف تمہاری رہنمائی کرے اور تم پر مہربان ہو۔ اور اللہ سب کچھ جانتا اور دانا ہے)۔

اوپر جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے انقلابی کونسل اس پر پورا پورا ایمان رکھتی ہے اور اسے یہ یقین کامل حاصل ہے کہ جس وقت انسان اپنے رب اور خالق کے قانون کی طرف لوٹ آئے گا وہ موجودہ دنیا کو افکار کی کشمکش، نظریات کے تکلیف دہ مظاہروں اور مذاہب کی معاندانہ سرگرمیوں سے نجات دلانے میں کامیاب ہوجائے گا۔ کیونکہ اُس وقت دنیا کو مشکلاتِ زندگی کا نہایت کامیاب علاج میسر آجائے گا اور وہ اسلام کی اُس شریعت سے بہرہ اندوز ہوجائے گی جس کے اصول وسیع الظرف جس کے مقاصد انسانیت نواز جس کی قوتیں تازہ دم اور جس کے قوانین بلند و بے لوث ہیں۔ انقلابی کونسل اپنے اسی ایمان و یقین سے سرشار ہو کر یہ تاریخی حکمنامہ صادر کر رہی ہے اس نے شریعتِ اسلامی کے احکام کے نفاذ کے لیے تدریج کا نظریہ اختیار کیا ہے۔ اس کی صورت یوں ہوگی کہ عدالتوں کے اندر اس وقت جو قوانین رائج ہیں وہ سردست باقی رہیں گے مگر فی الفور ساتھ ہی ان کی چھان پھٹک شروع کردی جائے گی اور ان میں سے اُن قوانین کو الگ کرلیا جائے گا جو اسلام کے قطعی احکام اور شریعتِ اسلامی کے بنیادی ضابطوں کے خلاف ہیں اور انہیں تبدیل کرنے کے لیے اسلامی قوانین کے اجراء کا کام شروع ہوجائے گا۔

انقلابی کونسل نے ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس کی رُو سے اسلام کے پرسنل لا کی تدوین کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ اسلام کے پرسنل لا کا ایک جامع قانونی خاکہ تیار کرے۔ یہ کمیٹی اپنی مُفوضہ مہم میں مشغول ہے۔ ہمارا اگلا قدم یہ ہوگا کہ ہم لیبیا کے عدالتی نظام کو یکجا کردیں گے اور شرعی اور ملکی قانون کی تفریق ختم کردیں گے۔ اور آیندہ قاضی شرع اور عدلیہ کے جج دونوں خدا کے نازل کردہ احکام کے تحت فیصلے صادر کریں گے ان شاء اللہ

لیبیا کا انقلاب اپنے اس پختہ عزم اور اٹل فیصلے کا اعلان کیے دیتا ہے کہ لیبیا کے اندر اسلامی قانون کا نفاذ انجام پذیر ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ اور اللہ کے اوامر سربلند ہو جائیں۔ اور غیر اللہ کی آواز پست ہو کر رہ جائے۔ انقلابی کونسل کو یہ قطعاً پروا نہیں ہے کہ خود ساختہ قوانین کے بعض علمبرداروں ان کے مستشرقین ہم سفر اللہ کی قائم کردہ حدود کا استہزاء کر رہے ہیں، اور دشمنان اسلام کا ایک گروہ اسلامی حدود و تعزیرات اور اسلامی معاملات و احکام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک پھیلا رہا ہے اور افترا پردازیاں کر رہا ہے۔ انقلابی کونسل حق کو حق ثابت کرنے اور باطل کو باطل ٹھیرانے کے لیے اور اوامرِ الٰہی کی تنفیذ کے لیے یاوہ گوئیوں پر کان دھرے بغیر اپنے راستہ پر گامزن رہے گی۔ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ (تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اُسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی۔ بجز اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں۔ اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانا ہے)۔

مطبوعات

تلاشِ حق تالیف: امام ابو حامد محمد الغزالی: شائع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ قیمت تین روپے۔

یہ کتاب امام غزالیؒ کی المنقذ من الضلال کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم جناب ڈاکٹر خالد حسن قادری ہیں جو لندن یونیورسٹی میں اردو کے لیکچرر ہیں۔ اردو ترجمہ کو جستہ جستہ دیکھنے سے اندازہ ہوا ہے کہ ترجمہ شگفتہ اور رواں ہے۔ مترجم نے بعض جگہ دقیق بحثوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے۔ امید ہے اہلِ ذوق اس کی قدر دانی کا حق ادا کریں گے۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی) تالیف شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شائع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب قیمت ۵ روپے

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا یہ رسالہ ہند و پاک میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ "اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ" کے عنوان سے اس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔ اس کا عربی ایڈیشن برسوں سے نایاب تھا۔ محکمہ اوقاف نے اب اسے بڑی محنت اور ذوق و شوق سے چھپایا ہے۔ کاغذ اور طباعت کا معیار عمدہ ہے۔ عربی ٹائپ اور سرورق بھی دیدہ زیب ہے۔ مقدمے میں جناب ڈاکٹر رشید جالندھری صاحب نے یہ خبر بھی سنائی ہے کہ محکمہ اوقاف شاہ ولی اللہؒ کی دوسری تصانیف بھی چھاپنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بیشک محکمہ اوقاف کی یہ خدمت ملتِ اسلامیہ کے حق میں بڑی مفید ہو گی۔

فیصلہ ہفت مسئلہ تصنیف: حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، شائع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب۔

یہ کتابچہ طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے نہایت خوبصورت اور دیدہ افروز ہے، اس میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ سات مسائل کی شرعی نوعیت بیان کی ہے، ایک مولود شریف، دوسرا فاتحہ مروجہ، تیسرا عرس اور سماع، چوتھا غیر اللہ کو پکارنا، پانچواں جماعتِ ثانیہ اور چھٹا اور ساتواں امکان نظیر و امکانِ کذب۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مصلحت اور حکمت کے پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے ان مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ان میں مولود شریف، مروجہ فاتحہ اور عرس و سماع کے مسائل پر حاجی صاحب مرحوم کی تشریحات پڑھنے کے قابل ہیں۔ بلکہ ہم خود محکمہ اوقاف کے ذمہ داروں کو بھی مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے شائع کردہ رسالے کو خود بھی پڑھیں اور پھر یہ جائزہ لیں کہ کیا "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، محکمہ اوقاف کا عمل اس کے مطابق ہے یا برعکس۔

بقیہ اشارات

کریں اور انتخاب کے بعد جب اختیارات کی باگیں انہیں سونپی جائیں تو ان سے پریس کے ذریعے یا اپنے نمائندوں کے ذریعے باز پُرس کی جاسکے۔ لیکن اگر اس راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کی جائے تو پھر ملک میں جمہوریت کو فروغ حاصل نہیں ہوتا بلکہ آمریت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ آخر سمجھیے کہ سابق صدر ایوب خاں کی بنیادی جمہوریتوں کا نظام جمہوریت کے لیبل کے باوجود کیونکر عالمِ واقعات میں آمریت پر منتج ہوا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ صدر کے انتخاب میں عوام براہِ راست دخیل نہ تھے بلکہ ایک محدود حلقہ جسے انتخابی ادارے کا نام دیا جاتا تھا وہ اس فرض کو انجام دیتا تھا۔ اس ادارے کے چند سو ارکان کو اپنی مرضی کے مطابق چلا لینا بڑے وسیع اختیارات رکھنے والے صدر کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ چنانچہ عملاً یہی ہوا کہ فیلڈ مارشل ایوب خاں صاحب پہلے تو حقیقی اکثریت سے چاہتے صدر منتخب ہوتے اور اس کے بعد وہ اپنے نامزد وزراء اور مشیروں سے جس طرح چاہتے کام لیتے۔ وہ سب ان کے سامنے جوابدہ تھے مگر صدر صاحب ان کے سامنے جوابدہ نہ تھے۔

موجودہ دستور میں صدر کو منتخب کرنے کے لیے جس انتخابی ادارہ یعنی قومی اسمبلی کو ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے اس کے ارکان کی تعداد تو بنیادی جمہوریت کے ارکان کی تعداد سے بھی کم ہے۔ اس لیے جو لوگ صدر کے انتخاب کے اس طریقے میں آمریت کے خدشات کا اظہار کرتے ہیں ان کے خدشات کو بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ پھر ان خدشات کو اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ دستور میں صدر کو وزراء کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ٹھیرایا گیا بلکہ وزراء کو صدر صاحب کی مرضی کا پابند بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ صدر کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ اس دستور میں ہر قسم کا ردوبدل اور ترمیم و اضافہ کر سکے اور اسمبلی کو جب چاہے توڑ دے۔ کوئی صدر اس قسم کے وسیع اختیارات حاصل ہونے کے باوجود اگر آمر بننے سے اجتناب کرتا ہے تو یا تو وہ مافوق الفطرت انسان ہے یا پرلے درجے کا احمق ہے۔ جہاں تک موجودہ صدر صاحب کا تعلق ہے ہم ان میں ان دونوں صفات میں سے کوئی صفت بھی نہیں پاتے۔

تفہیم القرآن

تفہیم القرآن کے ایجنٹ حضرات اور انفرادی خریداروں کے آرڈرز کی تعمیل میں تاخیر اس لیے ہو رہی تھی کہ تفہیم القرآن جلد سوم اور چہارم زیر طبع تھیں۔ اب جلد اوّل کے علاوہ باقی چاروں جلدیں مل سکتی ہیں۔

تفہیم القرآن جلد اوّل مئی ۶۲ء کے آخر تک تیار ہوتے ہی انشاء اللہ سپیشل سیٹوں کے آرڈرز کی تعمیل شروع کر دی جائے گی۔

قرآن مجید

وہ عظیم المرتبت کتاب جو ملتِ اسلامی کے وجود کی محافظ ہے اور جس کا محافظ خود خدا ہے

مگر دورِ حاضر میں

پاکستان کے محققِ جلیل جناب **مولانا ظفر اقبال** کی تیس سالہ عرق ریزی اور تحقیق کے بعد پیکجز لمیٹڈ کی طرف سے شائع ہونے والا **تجویدی قرآن مجید** اپنی مثال نہیں رکھتا

آرٹ پیپر، اعلیٰ دو رنگی طباعت، جلی حروف، مع پلاسٹک کور اور خوشنما ڈبے میں بند

سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۰۳۴ - ہدیہ صرف ۲۲ روپے

ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

تجویدی قرآن مجید حاصل کرنے کے لیے

فون نمبر ۵۲۵۰۷

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور کو آرڈر دیجیے